ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت

ملتان

ذی الحجہ: ۱۴۱۶ھ

مئی: ۱۹۹۶ء

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

"اے نبی! آپ کہیے: اگر تم اللہ کو چاہتے ہو؟ تو میری چال چلو تا کہ اللہ تم سے پیار کرے"

[پ۳ ، ع۱۱ ، آل عمران ، ع۳]

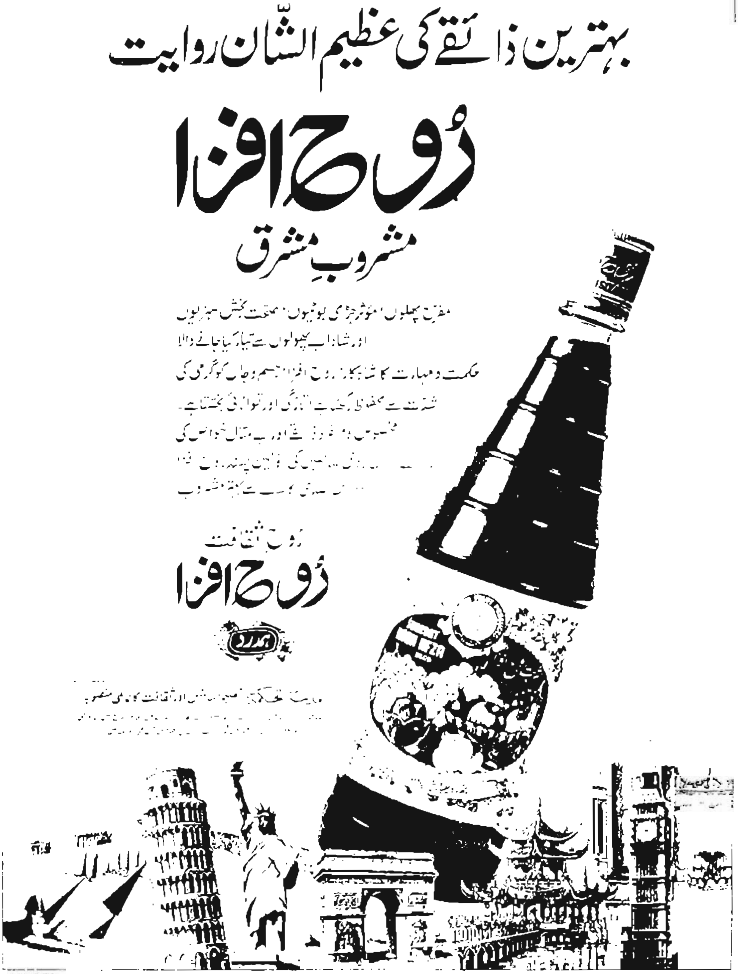

بہترین ذائقے کی عظیم الشّان روایت
روح افزا
مشروبِ مشرق
مفرّح پھلوں، مؤثر جڑی بوٹیوں، صحت بخش سبزیوں
اور شاداب پھولوں سے تیار کیا جانے والا
حکمت و مہارت کا شاہکار روح افزا جسم و جاں کو گرمی کی
شدت سے محفوظ رکھتا ہے، تازگی اور توانائی بخشتا ہے۔
روحِ ثقافت
روح افزا
ہمدرد

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

ذی الحجۃ سنہ ۱۴۱۶ھ، مئی سنہ ۱۹۹۶ء ، جلد ، شمارہ ۵ قیمت/ ۱۲ روپے

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ

مجلسِ ادارت

رئیس التحریر: سیّد عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول: سیّد محمد کفیل بخاری

رُفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ

ذوالکفل بخاری ٭ قمر الحسنین

شمس الاسلام بہاری ٭ ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ٭ عبداللطیف خالد

خادم حسین سیّد خالد مسعود

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک /۱۲۰ روپے ٭ بیرونِ ملک /۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱

تحریک تحفظِ ختمِ نبوّت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سیّد محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات:	اداریہ	مدیر	۳
قلم برداشتہ:	تازہ انتخابی اصلاحات اور قادیانی	سید عطاء المحسن بخاری	۵
" " " " :	قادیانیت، عالم اسلام کے لئے خطرہ	" " " " " " " " " " " "	۷
مقالہ:	انتہا پسندانہ ردِ عمل	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۱۰
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات انکی	ساغر اقبالی	۱۸
نقد و نظر:	جو کھٹکتے ہیں دلِ شیطاں میں کانٹے کی طرح	سید عطاء المحسن بخاری	۲۰
حسنِ انتخاب:	قادیانی تفسیر میں گمراہانہ تحریفات	مولانا اخلاق حسین قاسمی	۲۲
خود نوشت:	رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمہ اللہ	عبد المجید قریشی	۳۴
ناقابلِ تردید:	مرزا قادیانی کے تضادات	مولانا مشتاق احمد	۴۳
تاریخ:	تحریکِ تحفظِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء	جناب بشیر احمد/ڈاکٹر سبطین لکھنوی	۵۱
گوشۂ ادب:	تقابل------ماضی، حال، مستقبل (نظم)	مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ	۵۸
" " " " :	خدا کرے! (نظم)	علامہ انور صابری	۶۱
ترحیم:	مسافرینِ آخرت	ادارہ	۶۲

دل کی بات

پنجاب میں بم دھماکے..... دہشت گرد کون؟

ملک کا پر امن صوبہ پنجاب ان دنوں دہشت گردی کی زد میں ہے۔ شوکت خانم کینسر ہسپتال اور پتو کی میں مسافر بس کے بعد اب شیخوپورہ میں بھی مسافروں سے بھری بس بم دھماکے کی زد میں آ گئی۔ ان دھماکوں کے نتیجے میں درجنوں بے گناہ اور مظلوم انسان موت کی وادی میں اتر گئے۔ ان دھماکوں کے ذمہ دار افراد اتنے سفاک اور شقی القلب ہیں کہ مریض، معصوم بچے، بوڑھے ماں باپ اور کڑیل جوان سبھی ان کے ظلم کی بھینٹ چڑھ گئے۔ کیا اس ظلم کے ارتکاب کے بعد بھی وہ سکون سے زندگی بسر کریں گے؟ جن ظالموں نے بے گناہ انسانوں کی جانیں لیں اور کئی خاندان تباہ کر دئیے ہیں وہ یقیناً دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان دھماکوں کے بعد وزیر اعظم، صدر مملکت وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ کے بیانات اخبارات کی زینت بنے۔ وہی روایتی الفاظ...... بے روح اور عمل سے تہی۔ منافقت کا لبادہ اوڑھے ہمارے سامنے ہیں۔

"دہشت گردوں سے آہنی ہاتھوں کے ساتھ نمٹا جائے گا۔"

"تخریب کار جلد از جلد گرفتار کرنے کا حکم"

"دہشت گرد بہت جلد گرفتار کر لئے جائیں گے"

"ہلاک شدگان کے پسماندگان کے لئے بیس ہزار اور تیس ہزار امداد کا اعلان"

"را اور رام ایک ہو کر پنجاب میں تخریب کاری کر رہے ہیں"

اور ان بیانات کے بعد وزیر اعظم کا ایک اور بیان قابل توجہ ہے۔

"ملک میں مہنگائی کم ہوئی ہے اور امن و امان کی صورت حال تسلی بخش ہے"

قارئین! اندازہ فرمائیں کہ بد قسمت ملک پاکستان کے حکمران کتنے شقی القلب، منافق، سیاسی مفاد پرست اور اقتدار کے حریص ہیں۔ کیا یہ دہشت گردوں سے کم سفاک ہیں؟

دھماکے مسلسل ہو رہے ہیں، قتل و غارت روز افزوں ہے، اور کیا یہ حکمران ہی ان دھماکوں اور دہشت گردی کے ذمہ دار نہیں؟ ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ میڈیا سے زنا کی عام دعوت دی جا رہی ہے۔ ملک معاشی، اقتصادی اور سیاسی طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ اور حکمران بچا کھچا خزانہ بھی سمیٹ رہے ہیں کہ شاید یہ آخری موقع ہے۔ نہ کوئی مجرم گرفتار ہوا اور نہ ہی جرائم میں کمی واقع ہوئی اور مہنگائی روز بروز بڑھ رہی جبکہ وزیر اعظم فرماتی

ہیں کہ امن و امان کی صورتِ حال تسلی بخش ہے۔ یقیناً یہ صورت حال اور موجودہ حکمرانوں اور سیاست دانوں کا راج ہمارے اعمال بد کی سزا ہے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کے حال پر رحم فرمائے اور ملک کی موجودہ قیادت سے مکمل نجات دے (آمین)

قومی ختم نبوت کنونشن:

یہ امر مسلّمہ ہے کہ قادیانی اسلام اور وطن کے غدار ہیں۔ قیامِ پاکستان سے لیکر اب تک وہ اسی کوشش میں مصروف ہیں کہ کسی نہ کسی طرح پاکستان کے اقتدار پر شب خون مار کر قبضہ و تسلط کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے وطن، مذہب، انسانی اقدار غرض تمام خوبصورت جذبوں کو داؤ پر لگا دیا۔ تاحال وہ اسی ڈگر پر سرگرم ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں غیر مسلم اقلیت اقرار دیئے جانے کے بعد خاص طور پر قادیانیوں کی سرگرمیوں میں تیزی آئی۔ امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل ان کی پشت پر ہیں۔ گزشتہ ماہ امریکی نائب وزیر خارجہ مسز رابن رافیل نے انسانی حقوق کے حوالے سے پاکستان میں قادیانیوں پر مظالم کا رونا رویا ہے اور "سیاپا" کیا ہے۔ اس نے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں پر عائد جملہ پابندیاں انسانی حقوق کے خلاف ہیں انہیں ختم کیا جائے" موجودہ حکومت نے اسی امریکی دباؤ کے تحت اقلیتوں کے دوہرے ووٹ کی تجویز پیش کی ہے جس کا مقصد صرف اور صرف قادیانیوں کو سیاسی تحفظ فراہم کرنا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے سربراہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ نے ۱۶ مئی کو لاہور میں "قومی ختم نبوت کنونشن" طلب کیا ہے۔ اس کنونشن میں قادیانیوں کی جارحانہ اور وطن دشمن سرگرمیوں کے جائزے کے علاوہ ان کے مؤثر تدارک کے لئے لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمد کا یہ فیصلہ انتہائی اہم اور بروقت ہے۔ تمام دینی جماعتیں اس کنونشن کو کامیاب بنائیں اور کوئی عملی حل بھی تجویز کریں۔

مولانا ابو ریحان سیالکوٹی
سبائی فتنہ
(حصہ اول)
قیمت 150روپے

اہل سنت کے روپ میں رفض و سبائیت
پھیلانے والے طبقہ کے خیالات کا
علمی و تحقیقی محاسبہ
ایسی کتاب جس نے بعض نام نہاد
تقدس مآبوں کی حجلہ عروسی میں
زلزلہ بپا کر دیا

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی، ملتان۔

سید عطاء المحسن بخاری

قلم برداشتہ:

تازہ انتخابی اصلاحات اور قادیانی

۴ اپریل کے "خبریں" میں امین اللہ خان گنڈا پور نے اپنے مضمون "انتخابی اصلاحات کا بھنور" میں مبینہ انتخابی اصلاحات خصوصاً اقلیتوں کے لئے دوہرے ووٹ پر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ یہ ایک فکر انگیز کاوش تھی، جائز گفتگو تھی۔ ملک کے ہر طبقہ نے ان نام نہاد اصلاحات (یا خرافات) پر رائے زنی کی ہے۔ مگر امین اللہ گنڈا پور کی گفتگو سے راجہ غالب احمد صاحب کو بطور خاص چبھن محسوس ہوئی اور انہوں نے جو بات اپنے دھرم، اور ہٹ دھرم ساتھیوں کے خلاف محسوس کی اسپر خامہ فرسائی کی۔ ۱۹ اپریل کے خبریں میں راجہ غالب احمد کا مضمون جواب دہی کی ناکام سی کوشش کی ہے۔ اس کے متعلق میں یوں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اخبار نے "ھل من مبارز" ساتھ لکھدیا ہے۔

راجہ صاحب کا کہنا ہے کہ ـ ـ ـ ـ مرزائی جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد نے ۱۹۷۴ء کے بعد گزشتہ ۲۲ برسوں میں انتخابی فہرستوں میں اپنے نام بطور ووٹر درج نہیں کروائے۔ اس لئے ان کے انتخاب میں حصہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... مرزائیوں کے لئے مخصوص نشستوں پر انتخاب میں حصہ لینا مرزائی اپنے اعتقاد اور ضمیر کے منافی سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں امیدوار کو حضرت محمد ﷺ سے قطع تعلقی کا اعلان کرنا پڑتا ہے...... مرزائی نشستوں پر منتخب شدہ ارکان اسمبلی مرزائی جماعت کے نمائندے شمار نہیں ہوں گے...... یہ بات کہ اقلیتوں کو دوہرے ووٹ کا حق دینے کا مقصد دراصل مرزائیوں کو دوہرے ووٹ کا حق دینا ہے بے بنیاد ہے۔

جواباً عرض ہے کہ مرزائیوں نے انتخابی عمل سے جیسی بے زاری اور بے رخی راجہ صاحب کے بقول روا رکھی ہے، "آن دی ریکارڈ" حقائق اس کی تائید نہیں کرتے جبکہ "آف دی ریکارڈ" حقائق تو اور بھی بہت کچھ کہتے ہیں۔ یعنی وہ سب کچھ جو راجہ صاحب بالکل نہیں کہنا چاہتے۔ گزشتہ ۲۲ برسوں میں ملک کے مختلف حصوں میں مرزائیوں (جماعت احمدیہ) نے ہمیشہ سیکولر اور لبرل قسم کے مسلمان کہلانے والے انتخابی امیدواروں کو ووٹ، نوٹ اور اخلاقی تعاون دیکر کامیاب کرایا اور ان کے ذریعے اپنے جائز و ناجائز کام کرائے۔ اس "ربوائی" پالیسی کا تو پورا چنیوٹ عینی شاھد ہے۔ ملتان میں اسکے بیسیوں عینی شاھد پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ضلع سرگودھا میں بھی ایسی ہی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مسلمان (اور اصلی حقیقی مسلمان) سے تو مرزائی جماعت اس لئے تعاون نہیں کرتی کہ وہ اسکو کافر جانتی ہے لیکن لبرل اور سیکولر افراد سے تو ان کی گاڑھی چھنتی ہے۔ دوسری بات جو راجہ غالب احمد نے خلاف واقعہ کہی ہے اور محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے لکھی ہے وہ یہ کہ مخصوص نشستوں پر الیکشن لڑنے سے محمد رسول اللہ ﷺ سے قطع تعلقی کرنی پڑتی ہے۔ میں راجہ

صاحب کو ایک دینی اصول سے واقفیت حاصل کرنے کی دعوت دوں گا۔ دیکھئیے، محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا زمانہ تو قیامت تک ہے اب کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا، کسی کو نبی بنایا نہیں جائے گا۔ اب تو محمد ﷺ کا امتی وہی ہے جو صرف آپ ﷺ کو آخری نبی مانتا ہے اور آئندہ کے لئے تمام زمانوں کا نبی مانتا ہے۔ اب اسی انسان کا تعلق آپ ﷺ سے قائم رہیگا جو صرف آپ ﷺ پر ایمان رکھتا ہے اور سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کا قائل ہے۔ جس آدمی نے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مان لیا اس نے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق ختم کر لیا۔ آپ کا، آپ کے دھرم داسوں کا تو اب خاتم النبیین ﷺ سے کوئی تعلق نہ رہا۔ صرف الیکشن کے سلسلہ میں آپ کو تعلق یاد رہا؟ باقی ساری زندگی کے دینی کلیات کی توڑ پھوڑ، محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق اور قیامت کی بازپرس یاد نہ آئی؟ تیسری بات جو راجہ صاحب نے بڑے وثوق سے کہی ہے کہ مرزائیوں نے ووٹ درج نہیں کروائے یہ ایسا ہی سچ ہے جیسا مرزا غلام احمد کی نبوت اور مرزا بشیر الدین کی خلافت! راجہ صاحب کے روایتی قادیانی "بھولپن" کا پردہ فاش کرنے کے لئے عرض ہے کہ مرزائیوں نے جہاں بھی ووٹ درج کرائے تھے یا کرائے ہیں، وہ بطور مسلمان کے درج کرائے ہیں۔ البتہ جہاں جہاں انکو جاننے پہچاننے والا کوئی اللہ کا بندہ موجود ہے، وہ انکو نامزد کر کے فہرست سازوں کو بتاتا ہے کہ یہ راجہ منور احمد اور راجہ غالب احمد دونوں مرزائی ہیں۔

رہی یہ بات کہ پیپلز پارٹی کی مجوزہ، تازہ انتخابی اصلاحات کی تشکیل میں پس پردہ کون کون سرگرم رہا ہے تو اس کے لئے امثال و نظائر اور آثار و قرائن کی تفصیل اتنی طویل ہے کہ یہ کالم اس کا متحمل نہیں۔ ہاں اگر یہ بات درست نہیں کہ جنرل ضیاء الحق کے شہید ہونے پر مرزائیوں نے ربوہ میں چراغاں کیا اور پیپلز پارٹی کے چیدہ افراد اس "جشن" میں شامل تھے۔ اگر یہ بات بھی درست نہیں کہ مسز زرداری کو اس بار اقتدار دلانے میں مرزائیوں کا اندرونی اور بیرونی ہاتھ متحرک رہا ہے۔ اور اگر راجہ صاحب (اور ربوہ والی قیادت) کے نزدیک یہ بات بھی درست نہیں کہ مرزائیوں نے امریکہ اور برطانیہ میں اپنی "سفارتی" اور سفارشی تگ و دو کے طفیل یہ "کامیابی" حاصل کی ہے جس کا مظہر یہ نام نہاد انتخابی اصلاحات ہیں تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ.....ع

ہے تجھ کو مکر جانے کی عادت، تُو مکر جا!

ہم سمجھتے ہیں کہ جس کی "طاقت" کے ذریعہ مرزائی ریاستی مشینری کی فرنٹ لائن میں آنا چاہتے ہیں وہ طاقت انہیں پیپلز پارٹی ہی فراہم کر سکتی ہے۔ وہ مرزائیوں کی گارڈین جو ٹھہری!

سید عطاء المحسن بخاری

قلم برداشتہ

قادیانیت عالم اسلام کے لئے خطرہ ہے

خیالات کی ڈور الجھانے کا کام بڑی مہارت کا تقاضا کرتا ہے اور یہ فن اسی آدمی کو آتا ہے جو ایک تسلسل کو توڑنے کی تگ و تاز میں جتا ہوا ہو، جسے بس ایک ہی دھن ہو کہ میری بات بھی کچھ نگاہوں تک پہنچے اور انہیں پتھرا دے۔ نگہ ناز تک رسائی ہو یا نہ ہو اتنا تو ہو کہ لوگ کہیں ------ گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں۔ روزنامہ "الاخبار" (اسلام آباد) کی ۶ مارچ (۹۶ء) کی اشاعت میں "ابن خلیل" نامی "فرزند اسلام آباد" نے جس مہارت سے قادیانیت کی وکالت میں مضمون لکھا ہے اسکی داد دیئے بغیر رہا نہیں جا سکتا۔ زیر بحث مسئلہ تو یہ تھا کہ قادیانیت عالم اسلام کے لئے ایک خطرہ ہے کہ نہیں۔ مگر ابن خلیل صاحب نے ایسے ماہرانہ اور شاطرانہ انداز سے اس مقدمہ کو گول کیا ہے کہ ان کے "دُھن کے پکے" ہونے میں ذرہ بھر شک نہیں رہا۔ موصوف کا سارا زور اس بات پر ہے کہ مرزا قادیانی کی "خدمت اسلام" ایسی نمایاں تھی کہ احراری لیڈر بھی اسے چھپا نہیں سکتے تھے۔ ہمارا موصوف کی بارگاہِ غل و غش میں ایک سوال ہے کہ کیا مسئلہ قادیانیت کا صرف مجلس احرار اسلام سے تعلق ہے؟ مجلس احرار اسلام نہ تو قادیانیت کے بنانے میں ملوث، نہ سنوارنے میں، نہ سجانے میں۔ مجلس احرار اسلام تو قادیانیت کے ازلی دشمنوں میں سے ہے۔ کوئی قادیانی خواہ آسمان سے تارا توڑ کر بھی لا دے تو احراریوں نے ایک ہی بات کہہ دینی ہے..... "چھڈو جی! ایہہ تے مرزائی اے، مرتد اے، واجب القتل اے!" مجلس احرار کے کارکنوں کی تو تربیت ہی ان الفاظ و تراکیب کے اٹوٹ دائروں میں ہوئی ہے۔ ابن خلیل صاحب کو شکوہ تو قاضی شعیب خان صاحب سے ہے جنہوں نے ایک مضمون میں قادیانیت کو عالم اسلام کے لئے ایک سنگین خطرہ کے طور پر پیش کیا لیکن ابن خلیل صاحب کا روئے سخن جواباً مجلس احرار کی طرف ہے۔ نہ جانے قاضی شعیب صاحب کون ہیں جن کے مضمون سے ابن خلیل صاحب کو ایسی شدید اذیت پہنچی ہے کہ وہ چوکڑی ہی بھول گئے ہیں۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ انگریزوں نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکی ذریت البغایا کو خود ایک مذہبی جتھہ بنایا ہے کہ نہیں؟ ابن خلیل صاحب اسکی تردید کرتے تو بہت اچھا تھا۔ کوئی حوالہ دیتے تو اور بہتر ہوتا۔ مگر انہوں نے تو اپنے آقا مرزا غلام احمد قادیانی کو ہی نہ صرف یہ کہ جھٹلایا ہے بلکہ انہیں "کذاب اکبر" ٹھہرایا ہے۔ وہ یوں کہ ابن خلیل صاحب کے نزدیک یہ کہنا بڑا ظلم اور بڑا جھوٹ ہو گا کہ مرزا صاحب نے انگریزوں کے ایماء پر نبوت کا دعوی کیا۔ جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے خود لکھا ہے......

"صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جسکو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جسکی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی

کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں، اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق اور توجہ کام لے"۔ (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم از مفتی محمد صادق مطبوعہ بدر ایجنسی قادیان اپریل ۱۹۲۱ء ص ۲۶۲)

یہ لمبا اقتباس میں نے صرف اس لئے نقل کیا ہے تاکہ ابن خلیل صاحب کہیں اسے بھی "الزام تراشی کا مولویانہ انداز" نہ قرار دے ڈالیں کیونکہ اُنہیں مولویانہ اعتراضات، ان کی بندش اور ان کی اٹھان قطعاً پسند نہیں۔ ویسے میں ابن خلیل صاحب سے پوچھتا ہوں کہ "احراریوں" اور "مولویوں" کا یہ اعتراض کہ مرزا غلام احمد نے انگریزوں کے ایما پر نبوت کا ڈھونگ رچایا ہے، غلط کیسے ہے؟ جب مدعی خود کہتا ہے کہ وہ انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے تو ابن خلیل صاحب اسے غلط کیسے کہتے ہیں؟ خود کاشتہ پودا کے معنیٰ ان کے نزدیک کچھ اور ہیں تو واضح کریں۔ اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ خود کاشتہ پودا اردو زبان کا لفظ ہے جسے بچہ بچہ سمجھتا ہے لہذا اسکے وہی معنی بتائیں جو اہل زبان کے ہاں مستعمل ہوں۔ خود ساختہ معنیٰ نہ ہوں۔ نہ ہی تاویلات اور تعبیر کا سہارا لیں جیسے مرزا غلام احمد تعبیر کا سہارا لیکر لکھتے ہیں.....

"یادرہے کہ مسیح موعود کی خاص علامتوں میں سے یہ لکھا ہے کہ وہ دو زرد چادروں کے ساتھ اترے گا"

(اب غلام احمد قادیانی کی تعبیر بھی پڑھیئے اور سر دھنیئے)

"دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسری بدن کے نیچے کے حصہ ہیں" (حقیقۃ الوحی ص ۳۰۷ مطبوعہ ۱۹۵۲)

یہ تمام عبارت ابن خلیل صاحب کے اصل روحانی والد جد مرزا غلام احمد قادیانی کی ہے۔ میں پوچھتا ہوں دنیا کی کسی اردو لغت میں زرد چادروں کا لغوی یا اصطلاحی معنیٰ "دو بیماریاں" لکھا ہوا ہے؟ اسی طرح قرآن پاک جہاں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ارشاد ہوا کہ...... (ترجمہ) "مریم بنت عمران، جس نے کسی کا ہاتھ اپنے گریبان تک نہیں پہنچنے دیا۔ (پھر) ہم نے اپنی طرف سے اس میں ایک جان (روح) پھونک دی"۔ (التحریم، پ ۲۸)..... اب مرزا صاحب اس آیت کی رو سے خود کو بیک وقت مریم بھی اور عیسیٰ بھی ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس آیت کے (مطابق) اس امت کی مریم کو پہلی امت کی مریم کے ساتھ تب مشابہت پیدا ہوتی ہے کہ اس میں عیسیٰ کی روح پھونک دی جائے۔ جیسا کہ خدا نے خود روح پھونکنے کا ذکر بھی اس آیت میں فرما دیا ہے۔ اور ضرور ہے کہ خدا کا کلام پورا ہو۔ پس اس امت میں وہ میں ہی ہوں۔ میرا ہی نام خدا نے براہین احمدیہ میں پہلے مریم رکھا اور بعد اسکے میری ہی نسبت یہ کہا ہم نے اس مریم میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور پھر روح پھونکنے کے بعد مجھے ہی عیسیٰ قرار دیا" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۳۳۸)

اس قسم کی تاویل و تعبیر اور کہاں ملے گی جس میں غلام احمد، مریم بھی بن جائے اور پھر اپنے آپ میں سے خود وجود میں آئے اور عیسیٰ بن جائے۔ یہاں ۃ ایک اور بات بھی ابن خلیل صاحب بتادیں کہ کیا یہ تبلیغ اسلام

ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے؟ یہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری ہے؟ غلامی ہے؟ حضور ﷺ کا، آپ کی پہلی مقدس جماعت (صحابہ کرام) سے بڑا اطاعت گزار کون ہو سکتا ہے؟ ایسے وفادار جاں نثار کہاں ملتے ہیں؟ ان سے بڑا کون ہے اس امت میں؟ ان جیسا بھی کوئی نہیں، چہ جائیکہ ان سے بڑا! رسول پاک ﷺ کی "کامل غلامی" میں سے ظلی، بروزی نبوت پیدا کر لینا، مرتد ہو کر خود کو مجدد اور مسیح موعود ثابت کرتے پھرنا یقیناً مرزا صاحب کا ہی عظیم تاریخی ابلیسی امتیاز و اختصاص ہے۔ ابن خلیل صاحب! اگر یہ (آپ کے بقول) "کامل غلامی" ہے تو بغاوت و اہانت کسے کہیں گے؟ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ابن خلیل کا کہنا ہے کہ مرزا صاحب کے مرنے پر "مجلس احرار کے گرو" مولانا ابوالکلام آزاد نے مرزا صاحب کی خدمات کا تذکرہ بلند الفاظ میں کیا تھا۔ اس جھوٹ کی حقیقت بھی ملاحظہ کریں۔ مولانا ابوالکلام آزاد جس زمانہ میں اخبار "وکیل" امرتسر میں کام کرتے تھے وہاں ایک صاحب عبدالمجید کپور تھلوی صاحب بھی کام کرتے تھے۔ جس مضمون کا ابن خلیل صاحب نے حوالہ دیا ہے، یہ مضمون مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کا نہیں ہے بلکہ عبدالمجید کپور تھلوی صاحب کا ہے۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو مکتوب محمد اجمل خان سیکرٹری مولانا ابوالکلام آزاد مطبوعہ ہفت روزہ چٹان ۱۳ فروری ۱۹۵۶ء! جھوٹے پر اللہ کی لعنت کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس کے جھوٹ سے سننے پڑھنے والے کا اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ ابن خلیل کے اس جھوٹے اور غلط حوالہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کے مجھ جیسے سینکڑوں عقیدت مندوں کا اعتماد و اعتقاد زخمی ہوا ہو گا۔ جس اللہ کے بندے کا مطالعہ نہیں ہے، وہ تو مرغِ قبلہ نما کی طرح تڑپ تڑپ کے ہلکان ہوا ہو گا۔ "دروغ بافروغ" اسی کو کہتے ہیں۔ مرحوم عبدالمجید سالک صاحب نے اپنی کتاب "یارانِ کہن" میں اسی تعزیتی عبارت کو مولانا ابوالکلام آزاد سے منسوب کرنے پر مولانا کی حیات مبارکہ میں ہی ان سے معذرت بھی کر لی تھی۔ وہ بھی "چٹان" میں چھپ چکی ہے۔ ابن خلیل صاحب! جیسے آپ جھوٹے، آپ کے مرزا غلام احمد بھی جھوٹے! سر سید احمد خان (بانی علی گڑھ یونیورسٹی) نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں، تحریروں اور مناظروں کے متعلق کیا خوب کہا تھا کہ "میں نے مرزا غلام احمد کی تحریریں پڑھی ہیں اور ان کے دعاوی بھی! دونوں دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے کام کے!" رہی یہ بات کہ مرزائیت (قادیانیت) عالم اسلام کے لئے خطرہ ہے کہ نہیں؟ تو مسٹر ابن خلیل! آپ لوگ جس ملک میں بھی جائیں گے خود کو مسلمان بنا کر پیش کریں گے۔ حالانکہ آپ مسلمان نہیں بلکہ مرزا غلام احمد کے مشن کی بنیاد پر آپ برطانیہ اور امریکہ کے پولیٹیکل اور اکنامک ایجنٹ ہیں۔ جب میزبان ملک کے لوگوں پر یہ انکشاف ہو گا تو بنیادی نقصان اسلام ہی کو ہو گا، مسلمانوں کو ہو گا۔ جیسے آپ مرزائیوں نے شام اور روسی ترکستان میں اسلام کے پردے میں اپنی کفریہ تبلیغ شروع کی اور ان لوگوں کو یہ علم ہوا کہ آپ لوگ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو وہ لوگ بڑی مشکل سے آپ کو قابو کر پائے۔ آپ لوگ پاکستان میں اور غیر ممالک میں فرنگیوں اور امریکیوں کے در پردہ جاسوس ہیں۔ اور حال ہی میں آپ کے طبقۂ خبیثہ کی

(بقیہ ص ۱۷ پر دیکھیں)

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی - مدیر "الفرقان لکھنؤ"

مقالہ:

انتہا پسندانہ ردِّ عمل

نا انصافیاں جب حد سے بڑھ جاتی ہیں اور لوگ انہیں سہتے سہتے تھک جاتے ہیں تو اس کا ردعمل انتہا پسندانہ شکلوں ہی میں ہوا کرتا ہے۔ اور انتہا پسندانہ شکلوں کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اچھے برے سے بھی بے نیاز ہوجائے۔ نتیجے کو نہ سوچے صرف ردعمل والے جذبے کی تسکین ڈھونڈے۔ پوری انسانی دنیا آج اسی نا انصافی اور ردعمل کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ قرآن کی زبان میں

ظهر الفساد فى البرّ والبحرِ بماكسبت ايدى النّاس ليذيقهم بعض الّذى عملوا لعلّهم يرجعون O (سورہ الروم آیت ۴۱)

خشکی اور تری سب ہی میں لوگوں کے کرتوتوں کی بدولت فتنہ و فساد رونما ہے۔ اور یہ اس لیے ہے تاکہ خدا (جو اس کائنات کا فرمانروا ہے) لوگوں کو ان کے اعمال کا کچھ ذائقہ انہیں چکھادے شاید کہ وہ باز آجائیں۔

ردعمل کی انتہا پسندی کا ایک مظاہرہ گزشتہ سال اپریل کی ۱۹ کو امریکہ کے شہر اوکلاہوما (OKLAHOMA) کا وہ بم دھماکہ ہے جس نے پورے امریکہ کو دہلادیا۔ امریکہ جسے دنیا کے مختلف حصوں کے لوگ زندگی کی سہولتوں اور آسائشوں کے لحاظ سے جنت ارضی سمجھ کر وہاں دوڑے چلے جاتے ہیں، اس کے بارے میں بم کے اس لرزہ خیز دھماکے نے انکشاف کیا ہے کہ وہاں خود وہیں کے لوگوں میں ایسے بھی کتنے ہی ہیں کہ وہاں کے نظام کو اپنے لیے جہنم پاتے ہیں اور اس جہنم میں "جلتے جلتے ردعمل کی اس انتہا پسندی تک پہنچ جاتے ہیں کہ

جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

خود امریکن میگزین ٹائم کا کہنا ہے کہ

"قلب ملک کے ٹرک بم دھماکے نے یہ تلخ حقیقت الم نشرح کردی ہے کہ امریکہ میں خود اس کے اپنے خاص طرز کی ایک خوفناک نئی سیاسی مخلوق جنم لے چکی ہے جسے نفرت کا جنون اس درجہ پاگل کیے ہوئے ہے کہ نہایت وسیع پیمانے پر قتل و غارت کے بغیر اس کی تسکین ممکن نہیں۔ کون جانے کہ ایسے کتنے۔ ایک درجن؟ ایک سو؟ امریکن شہری ہیں جو اس درجہ شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی گورنمنٹ وہ شیطان اعظم ہے کہ اس سے نمٹنے کے لیے ان کے پاس مار دھاڑ ہی واحد راستہ ہے۔"

اس بم دھماکے میں جو ایک نو منزلہ سرکاری عمارت کو نشانہ بناکر کیا گیا تھا۔ عمارت کی تباہی کے علاوہ سیکڑوں انسانی جانیں بھی دردناک طریقے پر ضائع ہوئیں۔ جن میں بچے بھی شامل تھے۔ اور یہ بچے اس سرکاری دفاتر والی عمارت میں اتفاق سے نہیں پہنچے ہوئے تھے بلکہ اس عمارت میں بچوں کا ایک ڈے کیئر سینٹر (DAY CARE CENTER) بھی واقع تھا (جہاں کام پر جانے والی۔ اور شاید اسی عمارت کے دفاتر میں کام پر جانے والی مائیں اپنے بچے چھوڑ دیا کرتی تھیں) یعنی یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ دھماکے کا جرم کرنے والے عمارت میں بچوں کی موجودگی کے قوی امکان سے بے خبر ہوں گے۔ بلکہ ٹائم کی رپورٹ میں تو جنون نفرت و انتقام کو یہاں تک پہنچا ہوا بتایا گیا ہے کہ زخمی بچے جائے واردات سے اٹھا کر بچوں کے جس اسپتال میں بغرض علاج پہنچائے گئے وہاں بھی فوراً ہی بم سے اڑا دیے جانے کی دھمکی موصول ہوگئی۔ اور بچوں کے جو ماں باپ

اسپتال پہنچ گئے تھے ان کو بہر حال دھمکی کے نتیجے میں اسپتال کی انتظامیہ کی طرف سے اجازت نہیں رہی کہ وہ اسپتال کی عمارت میں ٹھہر سکیں۔

امریکی شہر کے اس دھماکے کے سلسلے میں جو افراد پکڑے گئے ہیں یا جن کو شبہ کی نظر سے دیکھا جارہا ہے، ان کی شکایتیں بظاہر کچھ ایسی پرانی بھی نہیں تھیں۔ پھر جن دلوں میں شکایتیں مدتوں سے پل رہی ہوں۔ وہ اگر اپنے رد عمل میں انتہا پسندی کی راہ اختیار کرلیں تو کیا تعجب کی بات ہے؟ ہم یہاں جس انتہا پسند رد عمل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں وہ آج مسلم دنیا میں پھیلتی ہوئی رد عمل کی کیفیت ہے۔

مسلمانوں نے مغربی طاقتوں کی استعماریت (IMPERIALISM) کے زمانے میں ان سے جو زخم کھائے وہ بجائے خود نہ بھلائے جاسکنے والی چیز ہے۔ مگر اب جبکہ اسلامی دنیا ان کے پنجہ استبداد یا پنجہ استدلب(1) سے آزاد ہوچکی تھی اور امکان تھا کہ اس دور کی یادوں کی تلخی کم ہوجائے یہ طاقتیں اپنے ان مفادات کے چکر سے آزاد نہ ہوسکیں جن مفادات کا ذائقہ انہیں اپنی ملوکیت اور استعماریت کے زمانے میں پڑ گیا تھا۔ اور ان مفادات کے تحفظ کے لیے انہوں نے تمام عیارانہ طریقے اور وسیلے اختیار کیے۔ منجملہ ان کے سب سے بڑا "ادارہ اقوام متحدہ" (U.N.O) کا قیام تھا۔ اس ادارے کے ذریعے مغربی طاقتیں جس عیارانہ انداز میں اپنے مفادات کا کھیل کھیل رہی ہیں اس کی کبھی نہ فراموش کی جاسکنے والی مثال تو بوزنیا ہرزے گووینا میں اس ادارے کا کردار ہے جس کا سلسلہ مسلسل تین برس سے جاری ہے۔ اور اس سے ذرا ہی پہلے عراق کے ساتھ جو کچھ اس ادارے کی آڑ میں ہوا بلکہ ایک حد تک اب بھی ہو رہا ہے۔ یہ دو تو بڑی موٹی مثالیں ہیں ورنہ اس ادارے کا یہ "فیض" ہر سمت میں جاری ہے۔

ہلاک ، نے اس کے صیہونہ چھوڑ زمانے میں

مفاد پرستی کی یہ دراز دستیاں ہی مسلمانوں کے پرانے زخموں کو تازہ کردینے کے لیے کچھ کم نہ تھیں کہ مغرب یہ بات دیکھنے کو بھی تیار نہیں کہ مسلمان ملکوں میں اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کا بول بالا ہو اور وہاں کا نظام حکومت از سر نو اسلامی اصولوں پر استوار ہو۔ وہ اس مقصد کے لیے اٹھنے والی تمام تحریکوں اور قوتوں کے خلاف اپنی نہایت مضبوط اور مؤثر پروپیگنڈہ مشینری کو حرکت میں لاکر ان ملکوں کی رائے عامہ پر اثر انداز ہونے اور مغرب زدہ منحرف قوتوں کی کامیابی کو یقینی بنانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھتا ہے۔ بلکہ بات رفتہ رفتہ یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اقوام متحدہ سے جو مختلف قسم کی امدادیں اور قرضے ضرورت مند ملکوں کو ملتے ہیں اور جو واقع میں مغربی ملکوں کے اثر و نفوذ کی ضمانت ہی کا ایک ذریعہ ہیں۔ وہ بھی اندرون خانہ گویا اس پر موقوف ہو رہے ہیں کہ اسلام کا بول بالا نہ ہونے دینے کی ضمانت اہل حکومت سے ملتی رہے۔ اور ان کی مدد کے لیے یا ان کو دباؤ میں رکھنے کے لیے مفاد پرست (Fundamentalism) کا ایک لفظ مغرب نے بطور گالی کے رواج دیا ہے۔ جسے ہر اس آدمی اور تحریک و جماعت پر چسپاں کیا جاتا ہے جو اس زمانے میں اسلام کا بول بالا کرنے کی بات کرتا ہے۔ مغرب کی اصطلاح میں اس لفظ کا مطلب ہے۔ جاہل، رجعت پسند، شدت پسند، اور ظلمت پرست جو نئے زمانے کی روشنی اور ترقی کا دشمن ہے اور اس کے خلاف ہر ناکردنی کرسکتا ہے۔ لوگوں کو دہشت زدہ کرسکتا ہے قتل کرسکتا ہے اور بم دھماکوں کے ذریعہ بلا امتیاز تباہی بھی پھیلا سکتا ہے۔ چنانچہ اوکلاہوما کا یہ تباہ کن بم دھماکہ جو خود امریکیوں ہی کا کام نکلا، فوری طور پر انہی "اسلامی دہشت پسندوں" کے نام لکھ دیا گیا جو اب امریکہ میں بھی بسے ہوئے ہیں اور تقریباً چوبیس گھنٹے تک اسلامی دہشت پسندوں کے خلاف باتصویر پروپیگنڈہ کے دہانے کھلے رہے حتیٰ کہ پتہ چلا کہ یہ باریش (Bearded) ملا نہیں جو ممکنہ مجرمین (

Suspect) گردانے جارہے تھے بلکہ بے ریش امریکن ہی تھے۔

مسلم ملکوں میں بھی کسی طریقے پر اسلامی نظام حکومت اور طرز معاشرت کو واپس نہ آنے دینے سے مغرب کی دلچسپی کیسے جنون کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، اس کا کھلا نمونہ اس وقت مصر اور الجزائر ہیں مصر کے بارے میں تو مصر اسرائیلی سمجھوتہ(۱۹۷۹ء) کے بعد سے یہ بات ایک کھلی حقیقت ہے کہ مصر میں تمام تر ایک کٹھ پتلی حکومت ہے جس کی باگ ڈور امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہی چیز ہے جس نے آج دسیوں برس سے اس حکومت اور ان مسلمانوں(بالخصوص نوجوانوں) کے درمیان جو ملک میں اسلامی قوانین چاہتے ہیں ایک خونریز معرکہ آرائی کی حالت قائم کر رکھی ہے۔ الجزائر کے بارے میں کسی کٹھ پتلی حکومت کی علامتیں نہیں پائی جاتی تھیں مگر وہاں بھی چند سال پہلے حکومت اور کامل اسلامی نظام کے علمبرداروں کے درمیان جو انتخابی معرکہ ہوا اور پہلے مرحلے(Round) میں یہ بات صاف طور سے سامنے آگئی کہ اسلامی نظام حکومت کے علمبردار پورا انتخابی معرکہ بھاری اکثریت سے جیتیں گے تو حکومت نے کسی بھی دوسرے عذر کا سہارا لیے بغیر انتخابات کا سلسلہ اسی مرحلے پر روک کر انہیں کالعدم قرار دے دیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔ یعنی اسلامی نظام کے علمبرداروں کی جیت بجائے خود اس بات کےلیے کافی عذر ہے کہ ملک کا نام نہاد جمہوری نظام معطل کردیاجائے۔ اور اس کے بعد جو کچھ الجزائر میں ہو رہا ہے یعنی دونوں طرف کے سیکڑوں آدمی مارے جارہے ہیں۔ وہ سب کے سامنے ہے یہ ملک الجزائر مغربی دنیا کا قریب ترین اسلامی ملک ہے۔ مگر یہی مغربی دنیا جو چین میں، کوریا میں، روس میں، ہندوستان یا پاکستان میں، شام عراق ایران اور ترکی میں، غرض دنیا کے ہر خطے میں انسانی حقوق اور جمہوری آزادی کے احترام کی فکر میں ہمہ وقت چوکنا رہتی اور اس احترام کی کمی بیشی کو اپنے تعلقات اور اپنی عنایات کی کمی بیشی کا پیمانہ ٹھہراتی ہے۔ الجزائر کے اس زیر دیوار معاملے میں اس کے پاس ایک لفظ نہیں ہے۔ گویا کہ وہاں کسی جمہوری آزادی اور کسی انسانی حق پر آنچ نہیں آئی ہے۔ اور اس طرح یہ صاف طور سے اسلام کی روک تھام کےلیے ہر ناکردنی کی حمایت کا اظہار کر رہی ہے۔

یہ ہے حالات کا ایک طویل اور ہمہ گیر سلسلہ جو مسلمانوں اور خاص طور پر ان کے حساس نوجوانوں کو کچوکے لگاتا آرہا تھا کہ اسی درمیان کمیونسٹ روس نے افغانستان پر اپنا پنجہ پھیلایا اور وہاں مختلف عوامل(Factors) کے ماتحت اس کے مقابلے میں ایک تحریک جہاد کھڑی ہوگئی جو دس سال تک جاری رہ کر اس معنیٰ میں کامیابی سے ہمکنار ہوگئی کہ روس کو اپنی سپر طاقتی کے دعوے کے باوجود وہاں سے پسپا ہوجانا پڑا۔ یہ جہاد جس کی پشت پر پاکستان اور پھر اس کی پشت پر امریکہ آکھڑا ہوا تھا مسلمانوں کےلیے اس معنیٰ میں ایک بین الاقوامی جہاد کی صورت اختیار کرگیا کہ بہت سے اسلامی ملکوں کے پرجوش نوجوان اس میں آشریک ہوئے۔ خاص کر پاکستان سے شریک ہونے والی تو بہت بھاری تعداد تھی یہ جہاد کامیابی سے ختم ہوا تو گویا پوری اسلامی دنیا میں جہادی روح کے تنتیب پیدا کر کے ختم ہوا اور وہ ابھی ختم ہوا ہی تھا کہ کشمیر میں جہاد آزادی کا بگل بج گیا۔ اور یہ بالکل اسی طرح کا جہاد تھا جس طرح الجزائر میں وہاں کی حکومت اور اسلامی علمبرداروں کے درمیان برپا ہے کہ حکومت نے الیکشن کے نتائج قبول نہ کرکے اپوزیشن کو ہتھیار اٹھالینے کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ یہی قصہ کشمیر کا تھا کہ حکومت ہند نے اہل کشمیر سے کیے ہوئے وعدوں ہی کو پس پشت نہیں ڈالا بلکہ الیکشن کو بھی ایمانداری سے صحیح نتائج ظاہر کرنے کا موقع نہیں دیا کشمیریوں نے بڑی تعداد میں جہاد افغانستان میں حصہ لے کر جنگ جوئی کی تربیت حاصل کرلی تھی۔ ان کی مسلح جدوجہد کو بھی پانچ

سال ہو رہے ہیں اور وہ کسی طرح حکومت ہند کے سارے لاؤلشکر کے باوجود قابو میں نہیں آرہے ہیں۔ تو یہ اولاً افغانستان اور پھر کشمیر، اس نے عالم اسلام کے جوان خون میں ہر طرف ایک رو دوڑادی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے لب جنگجوئی کی زبان ہی میں بات کرنا ہے اور تمام بدلے چکانے ہیں۔

جہاں تک اس سوچ کے فطری ہونے کا تعلق ہے اس سے تو انکار ممکن ہی نہیں۔ اس لیے کہ ناانصافیاں حد سے بڑھی ہوئی ہیں اور بعض بعض صورتوں(Cases) میں صدیوں پر محیط ہیں اور امریکہ کا تازہ ہم واقعہ تازہ ترین گواہ ہے کہ ناانصافیوں کا احساس جب شدید ہوجاتا ہے اور آدمی کو ردعمل ظاہر کرنے کی گنجائش بھی نظر آتی ہے تو وہ اس حد تک جانا بھی اپنا بالکل فطری حق سمجھتا ہے جس حد تک امریکہ کا ٹموتھی جیمس میکوی(Timothy James Mc Veigh)اور اس کے ساتھی چلے گئے۔ مگر اس سوچ کے فطری ہونے کے اعتراف کے ساتھ اس کے بھی انکار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ انتہا پسندانہ سوچ پر عمل نہ صرف یہ کہ ہمیشہ مہنگی پڑنے والی چیز ہے بلکہ اس سے نتائج بھی وہ نہیں نکلتے جس سے کہ آدمی خوش ہوکہ مہنگی قیمت پر چیز، اعلیٰ درجے کی حاصل ہوئی۔

افغانستان کے جہاد میں کامیابی کا جو حشر بدترین خانہ جنگی کی صورت میں ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور وہ بنیادی طور پر اس انتہا پسندی کا نتیجہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کی نہ صرف مدد لینی جائز سمجھی گئی۔ بلکہ ان کےلیے سرپرستوں کا مقام قبول کرلیاگیا۔ اور قرآن کی یہ صریح آگاہی بھلا دی گئی کہ

یاایھاالذین امنو لاتتخذوا بطانتہً من دونکم لایالونکم خبالاً ط ودّوا ماعنتم قدبدت البغضاء من افواھھم وماتخفی صدورھم اکبر ط قدبیّنا لکم الآیات ان کنتم تعقلون(آل عمران ۱۱۸)

اے ایمان والو نہ بناؤ کسی کو بھیدی اپنوں کے سوا وہ(یہود و نصاریٰ) کمی نہیں کرتے ہیں تمہاری خرابی میں۔ ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں بھی پڑو۔ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ ان کے جی میں ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے کھول کر بتادی ہیں تم کو پتے کی باتیں اگر تم کو عقل ہے۔

مغربی طاقتوں خصوصاً امریکہ کو جوان کا سرغنہ ہے سرپرستی کا مقام دینے کا جس کے نتیجہ میں وہ اندرونی معاملات میں داخل ہوگئے کیا انجام ہوا؟ موجودہ افغان حکومت کے نائب صدر جناب عبدالرب رسول سیاف ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں(۲) کہ

"جب روسیوں کو یہاں مار پڑی تو انہوں نے امریکیوں سے بات کی کہ ہماری اس مشکل سے جان چھڑائیے۔ جنیوا معاہدہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ اور ہم نے اس کی مخالفت کی۔ نجیب کی حکومت ختم ہوجانے سے قبل اقوام متحدہ نے ایک پروگرام پیش کیاکہ وہ یہاں غیر جانبدار لوگوں کی حکومت بنائے اس میں سیکولر اور بے دین لوگ ہوں تاکہ مجاہدین حکومت پر کنٹرول حاصل نہ کرسکیں۔ ۔بینن سوان اس سلسلہ میں خاصی بھاگ دوڑ کر رہا تھا..........................

یہی دن تھے جب ہم نے افغان مجاہدین رہبروں کو پشاور میں جمع کیا۔ایک فارمولا بنایا اور ایک عبوری حکومت تشکیل دی۔ جب مجاہدین کی حکومت تشکیل پاگئی اور وہ یہاں پر آگئے تو اس وقت کے آپ اگر اخبارات دیکھیں تو اقوام متحدہ نے بیان دیا تھاکہ اقوام متحدہ کے تمام اراکین نے جو فیصلہ کیا تھا وہ یہاں پر ناکام ہوگیا ہے۔ اور یہ پہلی بار ایسا ہوا کہ اقوام متحدہ کا پہلا متفقہ فیصلہ ناکام ہوا۔جب انہوں نے دیکھا کہ مجاہدین کی

حکومت کابل میں قائم ہوگئی ہے تو اب انہوں نے ایک دوسرے پلان پر عمل شروع کیا۔ کہ کسی طرح مجاہدین کو حکومت سے دور کریں اور جہاد و مجاہدین کو دنیا میں بدنام کریں۔ یہ پلان اس طرح تھا کہ اقتدار پسند اور جاہ طلب افغان لیڈروں سے استفادہ کیا جائے پھر انہوں نے اس طرح کے حالات پیدا کردیے کہ آپس میں جنگ چھڑ جائے۔ اور یہ جنگ اس وقت تک طول کھینچے جب تک ان کے پاس اسلحہ ختم نہیں ہوجاتا۔ جب یہ جنگ چلتی رہے گی تو اس سے افغان قوم مجاہدین سے بیزار ہوجائے گی۔ ان کی شہرت بھی خراب ہوگی۔ اور خود کمزور پڑ جائیں گے۔ اور جب یہ لوگ بے وسائل ہوجائیں گے تو مجبوراً کسی دوسرے کو قبول کریں گے۔ اس وقت ہمارے پاس بہت سے ایسے دستاویزی ثبوت موجود ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کن ممالک نے کسی طرح یہاں مداخلت کی"

آج کل افغانستان کی خانہ جنگی کے پردے پر ایک نیا عنصر "طالبان" کے نام سے ابھرا ہے بلکہ اب تو زوال پذیر سا ہو رہا ہے۔ یہ ہم جیسے تمام "بے خبر" لوگوں کے لیے ایک معمہ تھا اور صرف قیاس آرائیوں سے معمہ کا حل تلاش کیا جارہا تھا۔ بالکل حال ہی میں پاکستان کے جنگ گروپ آف نیوز پیپرز نے دی نیوز انٹرنیشنل(The News International) کے نام سے جنگ اخبار کا ایک انگریزی سیکشن شائع کرنا شروع کیا ہے اس کی اشاعت ۳۰ اپریل ۹۵ء لندن) کے ادارتی کالم میں ان طالبان کی جو حقیقت بتائی گئی ہے اس کے بیان میں بھی انہی مغربی طاقتوں کا چہرہ سامنے آرہا ہے۔

"جب انٹرنیشنل کمیونٹی (یو۔ این۔ او) کو گلبدین حکمت یار کے بارے میں اندازہ ہوا کہ وہ اس کے کام کے نہیں ثابت ہوں گے تو یہ طالبان کا گروہ نظر انتخاب میں آیا جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا فضل الرحمن کے گروپ سے تعلق رکھنے والے عربی مدارس کے طلبا پر مشتمل ہے۔ یہ گروہ یکایک ظہور میں نہیں آیا۔ بلکہ اس کے پیچھے دو سالہ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ مثلاً مولانا فضل الرحمن کو امور خارجہ کی پارلیمانی کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا۔ بعدازاں پاکستانی وزیر داخلہ نے مغربی ملکوں کے سفراء کی ایک پارٹی کے ساتھ افغانستان کا سفر کیا۔ اور پھر سفراء کی یہ پارٹی جن جن علاقوں سے گزر تھی۔ یہی وہ علاقے تھے جن میں طالبان کی فتوحات کے جھنڈے بلند ہوئے۔ اس لیے کہ اس پارٹی نے مقامی کمانڈروں کو یہ اطمینان دلا کر ان فتوحات کے لیے زمین تیار کردی تھی۔ کہ طالبان کا لشکر تمہیں تمہارے اقتدار سے نہیں ہٹائے گا۔ اس کا نشانہ صرف خانہ جنگی کا خاتمہ اور امن کا قیام ہے۔ کس قدر دلچسپ بات ہے کہ جب طالبان کی فتوحات کا شہرہ ہوا۔ اور قدرتی طور سے ان کے بنیاد پرست اور انتہا پسند مسلمان ہونے کے شبہات ظاہر کیے گئے تو امریکہ کے نائب وزیر خارجہ نے ایک پریس کانفرنس کی رپورٹ کے مطابق اس سلسلے میں کہا کہ ہم ان پر یہ فتویٰ لگانے میں جلد بازی مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔" حالانکہ یہ خبر آچکی تھی کہ طالبان نے بعض علاقوں مثلاً قندھار مین سخت شرعی سزاؤں کا نفاذ بھی کر ڈالا ہے۔ پوچھا گیا کہ طالبان کے ساتھ امریکہ کے اس قدر فراخدلانہ رویے کا آخر راز کیا ہے؟ اور کیوں اس سے کوئی خطرہ نہیں محسوس کیا جارہا ہے؟ جبکہ اس بنیاد پرست گروہ کے بارے میں یہاں تک بتایا جارہا ہے کہ اسے ٹینک چلانے اور جیٹ فائٹر اڑانے کی ٹریننگ ملی ہوئی ہے؟ اس سوال کا جواب موصوف نے خاموشی میں ٹال دیا۔"

الغرض یہ کمیونسٹ روس کے خلاف جنگ میں ایک انتہا پسندی ہی تھی کہ مغربی طاقتوں کو مسلم محاذ میں اس حد تک داخل ہوجانے کا موقع دے دیا گیا کہ جہاد کے اچھے نتائج کے تمام خواب ایک ایک کرکے بکھرتے جارہے ہیں اور قرآن پاک نے خود فرمایا تھا کہ "لا یألونکم خبالا"

(یہ تمہاری خرابی میں کوئی کسر اٹھا کے

رکھنے والے نہیں ہیں) وہ حرف بہ حرف سامنے آرہا ہے۔

بالکل ایسی ہی انتہا پسندی کا ایک منظر یہاں برطانیہ میں رہنے والوں کے سامنے کشمیر کے سلسلے میں آرہا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ ہم سب جانتے ہیں کہ انگریزوں کی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا رہین منت ہے۔ وہی اس خطۂ جنت نظیر کو جہنم زار بنانے کا سامان کرکے برصغیر سے آئے تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور مسٹر ریڈ کلف کے نام کشمیر کے حوالہ سے کس کو یاد نہیں ہیں۔ مگر یہاں اہل کشمیر کی طرف سے برطانوی حکومت اور ممبران پارلیمنٹ کے دروازوں پر ہر وقت دہائی ہے آپ انصاف دلوائیں۔ آپ حکومت ہند پر دباؤ ڈالیں۔

حالانکہ ان سے جس "دوا" کی توقع فی الحقیقت کی جانی چاہیے وہ تو "لایألونکم خبالاً" کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں۔ جس لیبر پارٹی سے زیادہ امید کی جارہی ہے اسی کی حکومت کا تو دور تھا جب کشمیر ہندو پاکستان کے درمیان ایک فتنے کی جڑ بنا کے چھوڑا گیا۔ اور آج بھی ان کے لیڈر آئے دن ثابت کرتے رہتے ہیں کہ ان سے اس بارے میں امید محض فریب خوردگی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جہاں انتہا پسندی اس حد تک لے جاچکی ہو کہ خواتین کی آئے دن کی بے آبروئی بھی ناقابل برداشت قیمت نہ ثابت ہورہی ہو۔ وہاں انگریزوں سے دوا اور درماں کی مانگ کیوں کوئی عجیب چیز معلوم ہوسکے گی؟(۳)

لیکن افغانستان کے جہاد آزادی کا جو انجام ہمارے سامنے ہے اس کو دیکھتے ہوئے کشمیر کے بارے میں یہ سوچنے کی آخر کیسے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مغربی طاقتوں کو داخل کرکے ان ساری قربانیوں سے کوئی اچھا نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے جو ارض کشمیر میں دی جارہی ہے۔

اسی برطانیہ ہی کی سرزمین پر ہمارے انتہا پسندانہ ردعمل کی ایک ایسی شکل بھی رونما ہوگئی ہے جو راقم الحروف کے محدود علم میں تو اپنی کوئی دوسری نظیر نہیں رکھتی یہ شکل ہے برطانیہ میں خلافت اسلامیہ کے قیام کی تحریک! یوں تو خلافت اسلامیہ اور خلافت راشدہ کی دعوت ادھر کافی دنوں سے سننے میں آتی رہتی ہے۔ خود برطانیہ میں بھی ہمارے ایک دوست جن کا تعلق مہاجرین پاکستان سے تھا اور پیشے میں ہومیوپیتھک ڈاکٹر تھے اس کے بڑے داعی تھے۔ لیکن ان کے سامنے پاکستان کے نظام حکومت کا مسئلہ تھا اور وہ اسی کو سامنے رکھ کر پاکستانی لوگوں کا ذہن اس کےلیے تیار کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ اور اسی لگن میں وہ اب زیادہ پاکستان میں رہنے لگے ہیں۔ اگرچہ وہ نمایاں نہیں ہوسکے۔ اسلیے کہ سادہ آدمی تھے تقریر یا تحریر کا بھی ملکہ نہ رکھتے تھے لیکن ایک صاحب جو شامی الاصل بتائے جاتے ہیں دینی و اسلامی تعلیم کا پس منظر رکھتے اور تحریر و تقریر میں طاق ہیں ۱۹۸۵ء میں یہاں آئے اور حزب التحریر نام کی ایک جماعت کا ٹائٹل اپنے ساتھ لائے۔ جو ان کے بقول فلسطین میں قائم کی گئی تھی اور اب سب عرب ممالک میں ہیں (خلاف قانون) ہے (تحریر عربی میں آزاد کرانے کو کہتے ہیں) ان صاحب کا میدان کار مسلم نوجوان تھے۔ خاص کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اور اس میدان میں ان کو کافی کامیابی مل رہی تھی جمعہ کو اکثر مساجد پر ان کا خبرنامہ (Bulletin) تقسیم ہوتا تھا۔ جس میں نہایت سخت زبان میں بالعموم مسلم اور بالخصوص عرب حکمرانوں کے طرز حکومت کی مذمت اور ان کی کوتاہیوں پر تنقید اور قانون اسلامی کے نفاذ کی مانگ ہوتی تھی۔ ڈیڑھ سال ہوا کہ انہی صاحب اور ان کی جماعت کی طرف سے گزشتہ سال اگست ۹۴ء میں ایک خلافت کانفرنس کے پروگرام کا اعلان ہوا۔ اور اس کے لیے سال بھر برطانیہ کی ہر مسجد پر اشتہار بٹتے رہے اور یہ کام کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پرجوش نوجوان لڑکے کرتے تھے۔ ان اشتہاروں میں خاص طور پر

خلافت عثمانیہ (ترکی) کا حوالہ ہوتا تھا جو ۲۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو ختم کردی گئی تھی۔ اور اسی حوالے سے نظام خلافت کو دوبارہ وجود میں لانا اس کانفرنس کی غرض وغایت بتائی جاتی تھی۔ یہ اشتہار مسجدوں ہی پر نہیں تقسیم ہوتے تھے بلکہ آخر میں ملک کے چپے چپے پر چسپاں کیے جانے لگے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو ہی متوجہ نہیں کرنا ہے بلکہ برطانوی معاشرے کو بھی چیلنج کرنا ہے کہ تمہارے ہاتھوں جو خلافت (عثمانیہ) تباہ ہوئی تھی اس کی تاسیس نو کی داغ بیل ہم تمہاری سرزمین پر ڈالنے کےلیے جارہے ہیں۔ محاورے کی زبان میں "تمہارے سینے پر مونگ دلنے کےلیے"

مسلم نوجوانوں کی یہ جذباتی کیفیت علاوہ ان تحریروں اور تقریروں کے جو وہ حزب التحریر کے پروگراموں میں سنتے اور پڑھتے تھے بہت کچھ رشدی کی کتاب کے قصے کا بھی بلاشبہ نتیجہ تھی۔ اس موقع پر نوجوانوں کے جذبات برطانوی حکومت اور برطانوی میڈیا کے بےحد مایوس کن بلکہ اشتعال انگیز رویے سے بےحد مجروح ہوئے تھے۔ اسی جذباتی فضا میں جب انہیں یہ بتایا گیا کہ خلافت جیسی مقدس چیز جس کے نہ ہونے سے آج مسلمانوں کے سارے مصائب اور مسائل ہیں انہی انگریزوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئی تو پھر برطانیہ کا پلا نوجوان خون جہاں ہر طرف آزادئ رائے اور آزادی اظہار کا سبق بھی ہے اور ماحول بھی، کیوں اپنے جذبات کے اظہار میں کسی پس و پیش کا شکار ہوتا۔ ان نوجوانوں سے باتیں کرکے صاف معلوم ہوتا تھا کہ خلافت کی اس تحریک سے ان کی دلچسپی کے پیچھے سب سے زیادہ تیز اور مؤثر جذبہ انگریز کو چیلنج کرنے کا ہے جس سے ان کے گھٹے ہوئے جذبات کو تسکین مل رہی ہے اور دوسرے نمبر پر یہ چیز کہ اس تحریک میں مسلم حکمرانوں کے خلاف نفرت اور بیزاری کے جذبات کی تسکین کا بھرپور سامان تو ہے ہی جن کو وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سر پہ کہیں بھی کوئی مصیبت گزر جائے یہ کہیں بھی کچھ دم خم دکھاتے نظر نہیں آتے۔ گویا کہ عالم اسلام کوئی شئے نہیں ہے۔ اور اس کے ذمہ دار یہی حکمران ہیں۔

ان نوجوانوں کے جذبات اور جوش عمل کی پوری قدر کے ساتھ ان کے اس طرز عمل کے بارے میں کوئی دوسری بات اس کے سوا کہنا ممکن نہیں نظر آتی کہ یہ ردعمل انتہا پسندی کی وہ شکل ہے کہ کسی مسیمرازم اور ہپنوٹیزم کے بغیر اس کے وجود میں آنے کا تصور بھی کم از کم راقم الحروف کےلیے تو مشکل ہے! ہم جانتے ہیں کہ خلافت اسلامی کا ادارہ برطانیہ ہی کے ہاتھوں نابود ہوا۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ برطانیہ ہی دراصل اب بھی ان طاقتوں کا امام ہے جن کی بدولت مسلم ملکوں کے اندر بھی اسلامی تحریکوں کا پنپنا مشکل ہو رہا ہے۔ ہمارے سامنے بوسنیا کی تباہی و بربادی کی وہ ریل (Reel) مسلسل چل رہی ہے جس میں برطانیہ سے بڑھ کر کسی کا ہاتھ نہیں۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ضرور ہونا چاہیے کہ برطانیہ کے اندر ہمارے حدود اربعہ کیا ہیں؟ وہ کون سا ذریعہ اور کون سی اسبابی طاقت ہمارے پاس ہے جس کے سہارے ہم برطانیہ میں اسلامی خلافت قائم کریں گے؟ اور اگر یہاں نہیں کسی اسلامی ملک میں قائم کرنا مقصود ہے تو یہ کون سی عقل کی بات ہوگی کہ ایک ایسے ملک میں اس کا ڈھول بجایا جائے جسے ہم سب سے بڑا دشمن اسلام ٹھہراتے ہیں؟ اور جہاں ہم اس آزادی تحریر و تقریر و اجتماع کے سوا جو تمام تر اس برطانوی پارلیمنٹ کے رحم و کرم پر ہے جس میں ہمارا اپنا ایک بھی نمائندہ نہیں ہے کوئی بھی اور مؤثر ذریعہ اپنے کسی مشن کی خدمت کا نہیں رکھتے۔ اور ہم ہی اس آزادی تحریر و تقریر کے بارے میں یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ یہ سب منافقانہ و عیارانہ پالیسی کے ماتحت ہے؟ پھر یہ "دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر" کے سوا اور کیا ہے؟ اور اس سے ہم اس کے سوا کیا نتیجہ حاصل کرسکتے ہیں کہ ان لوگوں کی آواز کو قوت بخش دیں

جو ہمیں اس ملک کے نظام اور تمدن کے لیے خطرہ بتاتے ہیں؟
یااللہ! ہمارے جذبات اور ہماری قوتیں کس کس طرح اپنی ہی بربادی و نامرادی کے سامانوں میں صرف ہو رہی ہیں۔
اللھمّ الھمنا مراشد امورنا واصلح لنا شاننا کلہ ولاتکلنا الی انفسنا طرفتہ عین۔

وہ تمام لوگ جو محسوس کرتے ہیں کہ انتہا پسندانہ ردعمل کے یہ تمام طریقے جو پورے عالم اسلام میں پھیلتے چلے جارہے ہیں خود سوزی سے کم نہیں ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان کی اس حقیقت اور مضرت کو لوگوں خصوصاً نوجوانوں پر واضح کریں۔ اور انہیں بتائیں کہ وہ جس منزل کی تلاش میں ہیں ان کا راستہ اس منزل کو پالینے کا نہیں اپنے آپ کو گم کردینے کا راستہ ہے۔

حواشی حوالہ جات

(۱) "انتدب" ایک سیاسی اصطلاح ہے۔ جسے انگریزی میں (Manate) کہتے ہیں یعنی کسی علاقہ کا انتظام کسی دوسرے ملک کے سپرد کردینا۔ پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء کے خاتمہ پر فاتح مغربی اقوام کی "لیگ آف نیشنز" نے مشرق وسطی کے کچھ علاقوں کو فرانس اور برطانیہ کے زیر انتدب کردیا تھا۔ (۲) یہ انٹرویو موصوف نے نقیب ختم نبوت۔ ملتان۔ پاکستان کو دیا جو اس کی اشاعت اگست ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ (۳) عورتوں کی بے آبروئی کے پہلو پر ایک بہت قریبی اور فہیم، کشمیری دوست سے ایک مرتبہ بات کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اور ان سے اس کے گوارا کیے جانے کا جو جواز کانوں نے سنا اس کے بعد ہمت ہی نہ رہی کہ مسئلے کے کسی پہلو پر بھی اپنے کشمیری دوستوں سے بات کی جاسکے۔

(بشکریہ ماہنامہ الفاروق کراچی ذیقعد ہ ۱۴۱۶ھ)

(بقیہ از ص ۳۴)

تعبیر نہیں "۔
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس درمیانی حالت کے لئے " عالم مثال "کی تعبیر ایجاد فرمائی۔ اور موت کے بعد پیش آنے اور زندگی سے پہلے پیش آنے والے حالات کی توجیہ اسی اصطلاح کی روشنی میں فرمائی۔

(بشکریہ ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند (بھارت) مارچ ۱۹۹۶ء)

(بقیہ از ص ۹)

حقیقت افریقی حکومت پر منکشف ہوئی ہے۔ آپ لوگوں کو وہاں کی سب سے بڑی غیر مذہبی عدالت نے بھی مرتد اور کافر قرار دیدیا ہے۔ آپ "خطرہ" نہ ہوتے تو یہ الارم نہ بجتا۔
اللہ آپ کو اور تمام مرزائیوں کو مرزائیت سے توبہ کی توفیق دے (آمین)۔

....

طنز و مزاح

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات انکی

☆ قانون کی حکمرانی چاہتے ہیں۔ (بے نظیر)
کیسا قانون، کس کی حکمرانی؟

☆ "پیر بچہ بخشی" زنا، اغوا اور ڈکیتی کا مفرور ملزم نکلا۔ (ایک خبر)
ہور جاؤ پیراں دے آستانے تے

☆ ہائیکورٹ نے خاتون ٹیچر کو ایم این اے کے ڈیرہ سے برآمد کرا کے والدین کے حوالے کر دیا۔ (ایک خبر)
اور ایم این اے دندنا رہے ہیں۔

☆ ہمارے گھر میں ٹی وی اور فلمیں دیکھنے کی آزادی ہے۔ (والدہ صائمہ روبڑی)
نتیجہ سامنے ہے۔

☆ خارجہ امور اور مولانا فضل الرحمن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ (ایم حمزہ)
کیا فرق پڑتا ہے! مولانا کا زنانہ حکومت سے تو تعلق ہے نا!

☆ ستر سالہ بوڑھے کی سولہ سالہ لڑکی سے شادی، پہلی بیوی سے تیرہ بچے ہیں۔ (ایک خبر)
محکمہ بہبود آبادی والوں کی ایسی تیسی!

☆ امن و امان قائم نہ کر سکا۔ تو کرسی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ (نگئی)
میں نشے میں ہوں، میں نشے میں ہوں!

☆ اسرائیلی جارحیت کے خلاف شام کے ساتھ ہیں۔ (بے نظیر)
صبح تو آپ کی قسمت میں ہے ہی نہیں!

☆ ہر مولوی کے خلاف ہوں چاہے وہ شیعہ ہو یا سنی۔ (عاصمہ جہانگیر)
خدا تجھے کسی مولوی سے آشنا کر دے

☆ جشن مظفر گڑھ میں آتشبازی سے ایک ہلاک درجنوں زخمی (ایک خبر)
جشن کے نام پر خدا کے عذاب کو دعوت دی گئی۔

☆ اپوزیشن صدر مملکت سے پھر مایوس ہو گئی (کے پی آئی)
ہم نہ کہتے تھے جاناں! اس گلی میں نہ جانا۔

☆ سادہ زندگی بسر کرنے والے کو تھوڑے ٹیکس ادا کرنے پڑیں گے۔ (بے نظیر)
اسی لئے تو بے نظیر "انتہائی سادہ" زندگی بسر کرتی ہیں۔

☆ خالد کھرل۔ شیر افگن۔ نصیر اللہ بابر (تین کانے)
بجمن سسٹرز کا مردانہ ایڈیشن۔

☆ ملتان میں بی اے کی طالبہ کو ویڈیو سنٹر کے مالک نے اغوا کرلیا۔ (ایک خبر)
تہذیبی گھٹن دور ہو گئی۔

☆ ملک میں کسی صنعتی یونٹ کی ضرورت نہیں۔ (مخدوم شہاب)
ہاں جاگیرداروں کی بدمعاشیوں کے لئے مزارع سسٹم قائم رہنا چاہیئے۔

☆ ...... "دل چاہتا ہے کہ آج اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دوں مگر ۱۰۱ بخار ہے۔" (نکسی)
عقل خداداد چیز ہے۔

☆ آپ نے ہمارا ساتھ کیوں چھوڑا۔ ہمیں تو آپ کے مشوروں کی ضرورت تھی (بے نظیر کا ولی خاں سے مکالمہ)
بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا!

☆ صائمہ کے گھر والے مولوی ہیں، جو ڈرامہ باز ہوتے ہیں۔ (عاصمہ جہانگیر)

وکالت کے باورچی خانے کا ایندھن

استنجے کی مٹی کی چکنی گھڑی ہے

☆ اندھیر مچ گیا۔ دن دہاڑے بیٹیاں اٹھائی جارہی ہیں۔ (ہائیکورٹ)
عورت کے راج میں عورت کی تباہی! سب جھوٹے۔ اللہ رسول سچے۔

☆ اسلام آباد میں پولیس کی سرپرستی میں گلی گلی شراب اور عصمت فروشی کے اڈے کھل گئے۔ (ایک خبر)
حکمرانو! شرم کرو، حیا کرو، ورنہ اسلام آباد بیروت بن جائے گا۔

☆ وزیراعظم پہلے سب کچھ کردیتی ہیں بعد میں چاکلیٹ لے کر پہنچ جاتی ہیں۔ (نواز شریف)
ان کے ابا جان بھی یہی کیا کرتے تھے۔

☆ مسلمان ہوں قادیانی نہیں۔ شوہر لبرل مسلمان ہیں (عاصمہ جہانگیر)
لبرل مسلمان، یعنی..... جہاں چاہا جس وقت چاہا منہ مار لیا جائے۔

☆ مقصود لغاری کے بیرون ملک علاج پر ساڑھے بتیس لاکھ کے سرکاری اخراجات (ایک خبر)
صدر صاحب انتہائی شریف اور ایماندار آدمی ہیں۔

☆ نوابزادہ نصر اللہ کے بیٹے کی فلور مل پر خصوصی نوازش! (ایک خبر)
شرافت بیچ دی میں نے۔

☆ مجھے اسلام پر نہیں۔ مُلا کے اسلام پر اعتراض ہے۔ (ولی خان)
مجھے نسیم پر نہیں۔ نسیم ولی خان پر اعتراض ہے۔

☆ پاکستان میں کسی مسلم انتہا پسند کو برداشت نہیں کریں گے۔ (سردار آصف)
تہاڈے بارہ وجے نے سردار جی! اپنی خیر مناؤ!

سید عطاء المحسن بخاری

نقد و نظر:

جو کھٹکتے ہیں دلِ شیطاں میں کانٹے کی طرح

جاگیردار..... اسلام کو مانے، جمہوریت پر یقین رکھے، یا کمیونزم کو وظیفہ حیات بنا لے..... جھوٹا ہے، فریبی ہے، مکار ہے۔ وہ دھوکہ دیتا ہے مولوی کو، وہ فریب دیتا ہے سیکولر جمہوریت زادے کو اور وہ طعمہ دیتا ہے کامریڈ کے منہ میں! وہ جانتا ہے کہ مولوی کی "ضرورت" کیا ہے؟ جمہوریت زادوں کے "تقاضوں" سے وہ آگاہ ہے اور کامریڈ کی "طلب" سے بھی وہ آشنا ہے۔ وہ جاگیردار ہے، اپنی جاگیر کے "وسنیکوں" کو ہانکتا ہے۔ انکی ضرورتوں کو معلق کرنا اسے ورثہ میں ملا ہے۔ اسکی جاگیر کے "وسنیکوں" میں سے کوئی سچا راگ گائے تو اسے ایسے راگیوں کے گلے گھونٹنے بھی آتے ہیں۔ یہی اسکی وراثت ہے اور اپنی وراثت تو کوئی نہیں چھوڑا کرتا۔

۲ اپریل ۹۶ کے "خبریں" میں خبر تھی کہ تحصیل جلال پور پیر والا کے ایم پی اے مشتاق لانگ کے غنڈوں نے "خبریں" کے تحصیل رپورٹر قاری عبدالرحیم فاروقی پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اس "ہڈی توڑ" حملہ کی فوری وجہ ایم پی اے موصوف کے زیر سرپرستی چلنے والے قبضہ گروپ کی ایک کارروائی کی رپورٹنگ بتلائی گئی ہے۔ وجہ "معقول" ہے۔ "قبضہ گروپ" کی کارروائیوں اور ایم پی اے صاحب کی سرپرستیوں بدمستیوں) میں بھلا کیا "خبریت" ہے؟ کونسی نئی بات ہے؟ بلکہ ایسی خبروں کی اشاعت تو صریحاً جمہوریہ دشمنی ہے۔ لوٹوں کے "بنیادی حقوق" پر مجرمانہ حملہ ہے۔ جاگیردارانہ سماج کی "اعلیٰ اقدار" کی پامالی ہے۔ لہذا یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہے۔

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو "فردِ جری" تم کو نظر آئے مٹا دو

قاری عبدالرحیم فاروقی بھی تو فرد جری ہے۔ وہ بھی جاگیرداروں کے علاقے میں رہتے ہوئے سچے سچے بول الاپتا ہے۔ جاگیرداروں کی حرام کاریاں تلاشتا ہے۔ پھر انہیں خبریں میں چھپواتا ہے..... اور کھٹکتا ہے دل شیطاں میں کانٹے کی طرح! ضیا شاہد صاحب ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو لنگوٹی میں بھاگ کھیلتے ہیں اور علاقے کے فرعونوں کے بھاگ سے کھیلتے ہیں لیکن فرعون کی فرعونیت یہ ہے کہ وہ ڈوبنا تو قبول کر لیتا ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا۔ جلال پور پیر والہ کے لیگی اور پیپلئے فرعون، قاری عبدالرحیم کو بھلا کیوں مانیں؟ وہ اس غریب کو کیا جانیں؟ وہ تو یہ جانتے ہیں کہ غریب ہو کر، قاری کہلا کر، اخباری رپورٹر بن کر ان کے سامنے بولنا اور زندہ رہنا انکے جینے کی توہین ہے۔ اور ان جیسے اشرار الناس اپنی توہین کا بدلہ یونہی لیتے ہیں۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے ملتان میں خبریں کے اسلم گوھر کے ساتھ یہی ہوا۔ حتیٰ کہ لاہور میں مسلم لیگ کے میاں نواز

شریف کے بیت اللحم میں بھی یہی عمل دہرایا گیا۔ معلوم یہ ہوا کہ افسر، سرمایہ دار اور جاگیر دار، غریبوں، کمزوروں اور حق گوؤں پر ستم توڑ کر ہی معزز بنتے، معزز کہلاتے اور معزز رہتے ہیں۔ دور چاہے مغلوں کا ہو، چاہے انگریز کا اور چاہے پاکستانی انگریز کا۔ یعنی اپنے کالے انگریز ٹوڈیان کرام کا!

قاری عبدالرحیم فاروقی! تمکو اگر اس راستے پر چلنا ہے تو ماضی قریب کی تاریخ مزاحمت پر نگاہ ضرور ڈال لو۔ یہ خبریں انگریز اور اسکے ذلہ خواروں کے استبدادی رویوں کو دیکھ کر اللہ تعالی نے کئی کسبیوں کو بھی توبہ کی توفیق دی اور جب وہ انگریززادوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں، انگریز زادوں نے ان کو زندہ جلانے کی دھمکیاں دیں۔ اس راہ سے ہٹ جانے کو کہا مگر وہ توبہ کرنیوالی اللہ کی بندیاں انگریززادوں کے رعب میں نہ آئیں اور ان کے خلاف نبرد آزما لوگوں کی مدد کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ سامراجی کل پرزوں، نام نہاد انسانوں نے ان توبہ کرنے والیوں کو استحصال اور انتقام کی شعلے برساتی آگ میں زندہ جلادیا۔۔۔۔ وہ امر ہو گئیں! آج کے لوٹوں اور بدھنوں سے تو کروڑوں درجے وہ کسبیاں ہی بہتر و برتر تھیں۔

عبدالرحیم فاروقی! تم جس لگن کے ساتھ اس راستے پر چلے ہو وہ لگن کم نہ ہونے پائے، تمہارا قدم پیچھے نہ ہٹے، قدم اور قلم دونوں کی آبرو رکھنا۔ جاگیردار، اسکے روئیے، اسکے کرتوت، اسکی خباثتیں، اسکی رذالتیں اور اسکی جھوٹی عزت تمہارے قلم کی زد میں رہیں۔

جہاں تم ہو وہاں جان و قلم کی آزمائش ہے

اے قلم کارو، رپورٹرو! چپ نہ سادھ لینا۔ ڈٹ جانا اور اپنے ساتھی کا بدلہ لینا۔ اللہ کا فرمان ہے۔

ولکم فی القصاص حیوۃ — تمہاری زندگی بدلہ لینے میں ہے۔ (القرآن)

دفتر احرار لاہور میں

جناب حافظ احمد معاویہ کی تعیناتی

دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں نوجوان احرار کارکن

- جناب حافظ احمد معاویہ کو بطور ناظم تعینات کر دیا گیا ہے۔
- احباب جماعتی امور کے سلسلہ میں ان سے رابطہ رکھیں۔

دفتر مجلس احرار اسلام لاہور۔ ۲۷ سلطان احمد روڈ اچھرہ۔ فون : 7560450

مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی)

قادیانی تفسیر میں گمراہانہ تحریفات

انگلینڈ میں مقیم ایک صاحب علم دوست نے قادیانی تفسیر (بیان القرآن تصنیف مولانا محمد علی) کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ایک مرزائی صاحب اس تفسیر کی عظمت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ یہ وہ اہم تفسیر ہے جس سے مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مشہور مفسر قرآن نے استفادہ کیا ہے۔

یہ مرزائی صاحب انوار ابوالکلام کتاب میں شامل مقالہ (پروفیسر اختر اورینوی قادیانی) کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ابوسلمان شاہ جہاں پوری (حال مقیم کراچی) نے بھی اس ناچیز کو اس طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا تھا۔

اہم بات یہ تھی کہ پروفیسر اختر اورینوی (قادیانی) کے دعوے کی تردید کی جاتی، انھوں نے انوار ابوالکلام میں شامل مقالہ میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ غلام احمد قادیانی کی تفسیر سے نہ صرف متأثر تھے بلکہ ترجمان القرآن کی تحقیقات میں اس سے استفادہ کیا ہے۔

اب صورت یہ ہے کہ مولانا آزاد کے قرآنی افکار و خدمات پر ایک اہم تصنیف آگئی اور مذکورہ دعوے کا رد نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی مقالہ میں ایسا کیا بھی گیا تو اخبار اور رسالے کون محفوظ رکھتا ہے؟ بہرحال آپ کی تصنیف پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے مولانا کی بڑی اور ایسی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے جو صرف آپ ہی انجام دے سکتے تھے۔

ابوسلمان شاہ جہاں پوری ۱۹/۵/۱۹۸۸ء

مولانا موصوف پاکستان میں مولانا آزاد پر جو بے مثال تحقیقی کام انجام دے رہے ہیں وہ نہ صرف قابلِ قدر ہے بلکہ اس ماحول میں حیرت انگیز بھی ہے۔ اور یہ مولانا مرحوم کی روحانی اور علمی کرامت ہے جس نے شاہ جہاں پوری صاحب کو اس کام کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ شاہ جہاں پوری صاحب کے اس تبصرہ کے بعد انگلینڈ کے تازہ مکتوب نے اس معاملہ کی اہمیت اور زیادہ کر دی۔ اس لیے اس ناچیز نے قادیانی تفسیر کی تحریفات پر یہ سطریں تحریر کی ہیں۔

اس تفسیر پر مکمل تنقید کی ضرورت ہے۔ اس مضمون کے بعد امید ہے کہ دوسرے

اہلِ علم بھی اس پر توجہ کریں گے۔

دارالعلوم دیوبند نے قادیانیت کی تردید کے لئے باقاعدہ جدوجہد شروع کر رکھی ہے جو دارالعلوم کے مشن کا اہم حصہ ہے۔ اس مشن کے تعلق سے بھی اس موضوع پر قلم اٹھانا ضروری ہے۔

مولوی محمد علی قادیانی کی اردو تفسیر "بیان القرآن" ۱۹۲۲ء میں طبع ہو کر سامنے آئی۔ اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ تفسیر مولانا آزاد کے سامنے رہی ہوگی، کیوں کہ ترجمان القرآن کی ترتیب و طباعت کی داستان رانچی کی چار سالہ اسارت (۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء) سے شروع ہو کر ۱۹۳۰ء تک پہونچتی ہے۔

مولانا قید و بند کے ہنگامی دور سے گذرتے رہے، مسودات ضبط ہوتے رہے اور کچھ ضائع ہوتے رہے اور مولانا پھر تکمیل میں مشغول ہو گئے۔ بالآخر ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کی ترتیب سے فارغ ہو گئے۔ (ترجمان القرآن جلد اوّل ص۶)

یہ قادیانی تفسیر اپنے مباحث لغوی اور تاریخی تحقیق، زبان و بیان، کسی لحاظ سے بھی اپنے اندر ایسی ندرت اور انفرادیت نہیں رکھتی کہ مولانا آزاد جیسا علمی انا میں مستغرق عالم اپنے آپ کو اس سے استفادہ پر مجبور پاتا، جبکہ محمد علی صاحب اکثر مقامات پر موقعہ وبے موقعہ مرزا غلام احمد قادیانی کی مجددیت کا تذکرہ کر کے ایک سنجیدہ ذہن قاری کا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔ اور قرآن کُونُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ (سچے لوگوں کا ساتھ دو) کہتا ہے تو وہ مسلمانوں کو مرزا صاحب کی حمایت پر ابھارتے ہیں اور مخالفین مرزا پر غصہ کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی ظلی نبوت کی تشریح و تائید میں وقت ضائع کرتے ہیں (جلد دوم ص۱۰۱۰)

سورہ توبہ آیت ۱۲۴ کی تشریح کرتے ہوئے مرزا صاحب کی تعریف کو زبردستی عبارت میں داخل کیا ہے، لکھتے ہیں:

"اسی آیت قرآنی کا خلاصہ ہے جو اس صدی کے مجدد نے اپنے ساتھیوں سے یہ اقرار لیا ہے میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" (جلد دوم ص۸۴۳)

سورہ انفال آیت ۵۹ کی تشریح میں مرزا صاحب کے الہام کا تذکرہ کرتے ہیں:

"چنانچہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو آج سے کوئی چالیس سال پیشتر یہ الہام ہوا۔ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد" (جلد دوم ص۸۲۳)

عربی زبان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سورہ یوسف کی آیت ۲ کے تحت مرزائے قادیانی

کا نام کس طرح ٹھونسا ہے؟ لکھتے ہیں:

"عربی کے ام الالسنہ ہونے پر مفصل بحث کے لئے دیکھو کتاب ام الالسنہ جو خواجہ کمال الدین کی تصنیف ہے اور اس کی طرف اس زمانہ میں توجہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے دلائی ہے" (صفحہ ۹۶۸)

اس ٹھونسا ٹھونسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کا اصلی مقصد قرآن کی تشریح و توضیح نہیں بلکہ مرزائے قادیانی کے مجدد اور مصلح ہونے کا پروپیگنڈہ کرنا ہے۔

مذہبی اختلافات کے باب میں مولانا آزاد کی روش احتیاط و اعتدال پر چلتی رہی ہے۔ مولویانہ مناظرہ بازی کی روش اور ایک دوسرے کی تکفیر کے انتہا پسندانہ رویے سے مولانا ہمیشہ بیزار رہے۔ اس کے باوجود مولانا نے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد و نظریات اور ان کی تاویلات کی غلطیوں کو دوسرے علمائے حق سے کچھ زیادہ ہی وثوق و رسوخ کے ساتھ واضح کیا ہے۔ ذکرِ آزاد میں مولانا عبدالرزاق صاحب مرزا غلام احمد کے متعلق مولانا کے خیالات نقل کرتے ہیں:

"مجھے جہاں تک ان لوگوں کی کتابیں دیکھنے اور ان کی زبانی ان کے عقائد سننے کا اتفاق ہوا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ گو ان کی تاویلاتِ باطلہ سے ہمارے نزدیک قریب قریب انکار لازم آجاتا ہو لیکن انھیں ان کے التزام منطوق سے انکار ہے البتہ وہ تاویلات کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ تمام تاویلات باطل ہیں اور بدع و ضلالات پر مبنی ہیں" (صفحہ ۱۶۵)

ترجمان القرآن کی ترتیب میں مولانا کے سامنے عربی کی قدیم و جدید تفاسیر اور اکابر علم کے فارسی اور اردو تراجم رہے ہیں۔ تاریخ کی تمام انگریزی اور اردو تاریخیں پیش نظر معلوم ہوتی ہیں۔ اور مولانا کا خداداد بے نظیر فہم اور قرآنی ذوق بھرپور رہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔ اس لئے مولانا کی وسعت نظر، ذوقِ مطالعہ اور علمی خودداری اور تفاسیر قرآن کے عربی ماخذوں سے بے خبر انسان ہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ مولانا آزاد نے قادیانی تفسیر سے استفادہ کیا اور قادیانی اجتہادات کو قبول کیا۔

صرف ذوالقرنین کی تاریخی تحقیق میں قدیم نظریات سے ہٹ کر فارس کے حکمراں کی طرف جانے کے معاملہ کو دیکھ کر ایسی رائے قائم کرنا نہایت سطحی تاثر ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بائبل کے اشارہ سے دونوں مصنفوں کا ذہن اس طرف منتقل ہوا۔ مگر محمد علی صاحب ذوالقرنین کے قرآنی اوصاف کا ٹھیک ٹھیک مصداق و محل متعین کرنے میں بالکل

ناکام رہے۔ اور سرسری طور پر فارسی حکمران دارائے اول کو ذوالقرنین قرار دیدیا۔ بائبل نے دانیال نبی کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا تھا "وہ مینڈھا جسے تونے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سو وہ فارس کے بادشاہ ہیں (دانیال نبی ۲۰۸)

اس اشارہ کی روشنی میں قرآنی اشارات کے مطابق فارس کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کا تعین کرنا محقق کا اصلی کام تھا، جسے مولانا آزاد کے تحقیقی مطالعہ مزاج نے انجام دیا اور تیس صفحات کی مفصل بحث و نظر میں ثابت کیا۔ قران کا ذوالقرنین سائرس ہے جو دارائے اوّل کا پوتا ہے۔ یہ تحقیق و بحث ایسی تشفی بخش اور فیصلہ کن ثابت ہوئی کہ بعد میں آنے والوں کے لئے اسے تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

بعض جزوی بحثوں میں ان دو مصنفوں کے درمیان اگر فکری وحدت پائی جاتی ہے اور قرآن کریم کی تفسیر جیسے وسیع موضوع اور میدان میں ایسی وحدت یقینی ہے تو اس اشتراک واتفاق کے معنیٰ یہ نہیں ہوسکتے کہ اسے استفادہ کا نام دیا جائے اور بعد والے کو پہلے والے کا مقلد سمجھا جائے۔

ہم چند مثالوں پر غور کیجئے۔

سجدۂ تعظیمی حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے سجدہ کو محمد علی صاحب خدا کے لئے سجدۂ تشکر قرار دیتے ہیں اور "خرّوا لہٗ سجّداً" کا ترجمہ کرتے ہیں" اور وہ اس کی خاطر سجدہ میں گر گئے"

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی اسی توجیہ کی طرف گئے۔ اور ترجمہ کیا "اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدہ میں جھک گئے" (تفہیم ص۴۹۶)

مولانا آزاد نے جمہور مفسرین کی توجیہ اختیار کی اور اس سجدہ کو سجدۂ تعظیمی قرار دیا اور یہ لکھا کہ دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ آگے لکھا۔ لیکن اسلام نے توحید کے اعتقاد اور عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اس طرح کے رسوم کا متحمل نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ ہر جھکاؤ، ہر خمیدگی، ہر رکوع جو کسی قامت پر طاری ہوسکتا ہے وہ اللہ ہی کے لئے ہے (ترجمان دوم ص۲۴۶)

مولانا مودودی صاحب نے سجدہ تحیۃ کی تردید میں جو زوردار بحث کی ہے کیا اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مودودی صاحب نے محمد علی صاحب کی تفسیر سے استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ محمد علی صاحب نے بھی اپنی توجیہ کو پُرزور دلائل سے ثابت کیا ہے۔

غزوۂ بدر

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے لئے مدینہ سے نکلے یا قریش کے حملہ آور لشکر سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ یہ اختلافی بحث ہے۔ محمد علی صاحب نے دوسری توجیہ اختیار کی ہے اور اس پر قرآن کریم کی داخلی شہادت کے طور پر مختلف آیات نقل کی ہیں اور اس تاویل میں وہ مولانا شبلی کے مقلد ہیں۔ پھر یہی توجیہ مولانا آزاد اور مولانا مودودی نے اختیار کی ہے۔ لیکن کیا یہ محمد علی صاحب کی پیروی ہے۔

اصل میں مولانا شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی جلد اوّل تالیف (۱۹۱۱ء) میں اسی توجیہ پر زور دیا ہے اور انھیں کی تحقیق مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے نزدیک صحیح ہے۔

دوسرے تمام مفسرین نے تجارتی قافلہ پر حملہ کی بات کو قرآن کریم کی صحیح مراد ثابت کرنے اور مولانا شبلی کی تردید پر دلائل دے کر اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (دیکھو سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی تالیف ۱۹۳۹ء)

اولادِ یعقوب اور نظرِ بد

برادرانِ یوسف کو حضرت یعقوب نے پدرانہ شفقت کے سبب یہ نصیحت فرمائی کہ مصر کے اندر ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا۔ اس احتیاطی نصیحت کی وجہ کیا تھی؟ عام طور پر مفسرین نے نظرِ بد لگنے کے اندیشہ کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔

مولانا آزاد نے اس احتیاط کا تعلق سیاسی مصلحت سے قائم کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت یعقوب نے جاسوسی کے الزام سے بچانے کے لئے یہ تدبیر بنائی۔ مولانا کے سامنے قدیم مفسرین کے اقوال میں سے ایک قول ہے جسے علامہ بغدادی نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ بائیبل کی ایک روایت ہے۔ (تفصیل کے لئے اس بحث کا مستقل عنوان دیکھو۔)

اردو مصنفین میں مولوی محمد علی صاحب اس توجیہ کو اختیار کر چکے تھے اور انکا استدلال بائیبل کی روایت ہی پر مبنی ہے۔

پھر مولانا آزاد کے بعد مولانا مودودی صاحب نے بھی تعبیر کے معمولی فرق کے ساتھ اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

لیکن اس جزدی وحدتِ فکر کو استفادہ اور تقلید کا نام دینا اگلے مصنف کیساتھ کورانہ عقیدت مندی کا مظاہرہ ہے علمی تحقیق کا مظاہرہ نہیں۔

ترجمان القرآن کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنے والا اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ تفسیر کے جتنے اہم مقامات ہیں ان کی تحقیق میں مولانا اپنی علمی انفرادیت قائم رکھتے ہیں، البتہ متقدمین علماء میں سے کسی نہ کسی کا قول وا ثر مولانا کے سامنے ضرور ہوتا ہے۔ الّا ماشاء اللہ کہیں کہیں مولانا پر قرآن کریم کی داخلی شہادت اور سیاق و سباق کی مناسبت کا القاء ہو جاتا ہے اور مولانا اس تحقیق و اجتہاد میں منفرد نظر آتے ہیں۔

خواتین مصر کا مکر

مثال کے طور پر دیکھئے کہ خواتین مصر کے ہاتھ کاٹنے کے فعل کو بعض علماء نے فعل اختیاری کہا ہے اور بعض نے فعل اضطراری۔ محمد علی صاحب قادیانی نے ان دونوں میں سے کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دی، دونوں قول نقل کر دیئے۔ اور مولانا آزاد رحمۃ اللہ نے فعل اختیاری قرار دیا اور اسے مصری خواتین کا مکر و فریب اور تریا چلتر کہا اور دلیل میں قرآن کی داخلی شہادت پیش کی۔

محمد علی صاحب کے یہاں وہ وثوق و پختگی نہیں جو مولانا آزاد کے یہاں نظر آتی ہے پھر اسے استفادہ و تاثر کا نام کیسے دیا جائے؟ (دیکھو بیان القرآن جلد دوم ص ۹۸)

مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں وحی اصطلاحی اور وحی لغوی کے درمیان مختلف مقامات پر جو لطیف بحث کی ہے اور ہر قسم کے مغالطہ کو دور کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قادیانی تفسیر کی تحریفات ملاحظہ ہوں۔

غیر نبی کی وحی

فرعون کے قتل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچانے کے لئے خدا تعالیٰ نے ان کی والدہ (یوخا) کے دل میں بات ڈالی کہ اس بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا کے اندر ڈال دو۔ قرآن کریم نے کہا اذ اوحینا الیٰ امّك ما یوحیٰ (طٰہٰ ۳۸) اس وقت کو اے موسیٰ! یاد کرو جب ہم نے تمہاری ماں کے دل میں وہ بات ڈالی جو اس وقت ڈالنی چاہیئے تھی کہ اس بچہ کو دریا میں ڈال دے۔

جمہور علماء کے نزدیک یہاں وحی کا لفظ لغوی مفہوم (اشارہ کرنا) میں استعمال ہوا ہے۔ وحی کا شرعی اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ خدا کے نبی و رسول کی طرف خدا کے احکام شریعت کا نازل ہونا تاکہ وہ ان کی تبلیغ و تعلیم کا فرض انجام دے۔

غیر نبی (ولی) کے دل میں خدا کی طرف سے جو بات ڈالی جاتی ہے علماء کے نزدیک اسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن نے وحی کے لفظ کو لغوی مفہوم میں شہد کی مکھی کی فطری ہدایت کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ واوحیٰ ربّك الی النحل (النحل ۶۸) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں گھر بنا۔

مولوی محمد علی نے دونوں جگہ وحی کا ترجمہ وحی کے لفظ سے کیا ہے۔ شہد کی مکھی کے معاملہ میں تو وہ مجبور تھے اس لئے تشریح کے اندر لکھا:

"گو یہ وحی اور رنگ کی ہے، شہد کی مکھی علم حاصل نہیں کرتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کی فطرت میں رکھدیا ہے اس کے مطابق مختلف پھلوں سے شیرینی حاصل کر کے ایک جگہ جمع کرتی ہے۔" (جلد دوم ۱۰۸۵)

لیکن ام موسیٰ کی وحی میں وہ اپنے قادیانی فکر کی تائید کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:-

"اس سے معلوم ہوا کہ وحی الہیٰ غیر نبی کو بھی ایسی ہی یقینی ہو سکتی ہے جیسے نبی کو۔ اگر حضرت موسیٰ کی والدہ کو اس وحی کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کامل نہ ہوتا تو وہ اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈالتیں۔" (۱۲۳۶)

ایک نبی کو اپنی وحی پر جیسا یقین و اعتماد ہوتا ہے کسی غیر نبی کو اپنے قلبی القاء و الہام پر ویسا یقین نہیں ہوتا۔ اگر موسیٰ کی ماں کو ویسا ہی یقین ہوتا تو وہ اس راز کو افشاء کرنے کے لیئے بے تاب نہ ہوتیں۔ قرآن کریم نے بتایا۔ واصبح فواد ام موسیٰ فارغاً إن كادت لتبدى به لولا ان ربطنا علىٰ قلبها لتكون من المومنين (قصص ۱۰) موسیٰ کی ماں نے بچہ کو دریا میں ڈال تو دیا لیکن مامتا کی بے چینی کے سبب اس کا دل صبر سے خالی ہو گیا اور قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دیتیں اگر ہم نے ان کے دل سے رابطہ اور خاص رشتہ قائم نہ کیا ہوتا۔ تاکہ وہ یقین و اعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

قرآن کریم نے ام موسیٰ کی یہ کیفیت قلبی اسی لئے بیان کی تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ غیر نبی کا القاء و الہام (خواہ وہ خواب کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں) یقین کا درجہ نہیں رکھتا بلکہ ظن و خیال کا درجہ رکھتا ہے۔

چونکہ مرزا غلام احمد کے خیالی توہمات کو یقینی وحی کی حیثیت دیئے بغیر انکی نبوت اور مجددیت کا عقیدہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے محمد علی صاحب نے اپنی طرف سے اُمِّ موسیٰ کے القاء کو وحی الہیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی، کیونکہ اُمِّ موسیٰ غیر نبی تھیں۔

کشف اور الہام چونکہ تصوف کی اصطلاحیں ہیں اس لئے اکابر صوفیاء نے علم کے ان

ذرائع یوظنی قرار دیا ہے، یقینی قرار نہیں دیا۔ اور اس مسئلہ میں انہی حضرات کا قول معتبر ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر اہل استدلال اور اہل کشف کے نظریات میں تطبیق دینے کے لیئے ۹۵۵ھ میں تالیف فرمائی۔ اور اس میں صوفیاء کے ترجمان کی حیثیت سے محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی کتاب فتوحات مکیہ کو سامنے رکھا۔

امام شعرانی سورہ حشر آیت ۷ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ الخ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ) پیغمبر کی باتوں (وحی) کو قبول کرنا علی الاطلاق واجب ہے اور الہام جو بغیر واسطہ نبی کے براہ راست خدا سے حاصل ہو اس کے قبول کرنے کے لیئے یہ شرط ہے کہ وہ دلیل شرعی کے مطابق ہو۔ وجہ یہ ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور اس کا منصب ہی کلام الٰہی کا پہونچانا ہے، لوگوں کو شبہ میں ڈالنا اس کا کام نہیں ہے، بخلاف ولی کے۔ ولی الہام کے نام پر تلبیس شیطانی میں مبتلا ہو سکتا ہے، ہم پیغمبر کی طرف سے کسی مکر میں نہیں پڑ سکتے، ہاں خدا کی طرف سے ہمارا امتحان ہو سکتا ہے۔ خدا نے ارشاد فرمایا: وَمَکَرُوْا مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (النمل ۵۰) انھوں نے ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ان کی تدبیر کے توڑ کے لیئے ایک تدبیر کی اور وہ بے خبر رہے۔

یہ صفت پیغمبر کے لیئے جائز نہیں۔ پس جو شخص سلامت رہنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ میزان شریعت کو ہاتھ سے نہ چھوڑے اور جو اسے براہ راست (بطور الہام) خدا کی طرف سے ملے اسے شریعت کی میزان میں رکھ کر تولے۔ اگر پورا اترے تو قبول کرے ورنہ اسے رد کر دے۔ (الیواقیت ص۱۹۵)

ہم نے اوپر ادب کی رعایت سے مولانا تھانویؒ کا ترجمہ لکھا ہے اور مکر کا ترجمہ تدبیر کیا ہے، ورنہ اوپر والوں میں شاہ ولی اللہؒ نے بدسگالی، شاہ رفیع الدین نے مکر کا ترجمہ مکر اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے مکر کا ترجمہ فریب کیا ہے۔

تصوف کی سب سے زیادہ قدیم و معتبر کتاب "منازل السائرین" ہے جو شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہروی (وفات ۴۸۰ھ) کی تصنیف ہے اور اس کی مستند شرح مدارج السالکین ہے جو علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم نے لکھی ہے۔ اس شرح میں علامہ نے علمِ لدُنّی کی تعریف میں لکھا ہے:

"علم لدنی وہ علم ہے جو بغیر واسطہ نبی صرف الہام الٰہی سے براہ راست حاصل ہوتا ہے

جیسے حضرت خضر کا علم جو حضرت موسیٰ کے واسطے کے بغیر حاصل ہوا تھا۔

یہ علم ثمرہ ہے عبودیت، اتباعِ رسالت، صدق و اخلاص کا اور اس جد و جہد کا جو مشکوٰۃِ رسول یعنی کتاب و سُنّت سے علم حاصل کرنے کے لیئے کی جاتی ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

"جو شخص حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے قصّہ سے یہ سمجھتا ہے کہ علم لدنی کے ہوتے ہوئے علمِ وحی کی ضرورت نہیں رہتی وہ اسلام سے خارج اور واجبُ القتل (یعنی مرتد) ہے۔

(مدارج جلد دوم ص۲۴۳)

اوپر امام شعرانی نے الہام الٰہی کے بارے میں یہ بڑی لطیف اور حقیقت افروز بات کہی ہے کہ کبھی الہام میں خداوندی ابتلاء کا پہلو بھی پوشیدہ ہوتا ہے، اسے ہم آزمائشی الہام کہہ سکتے ہیں۔

الہامِ الٰہی کی اس قسم کو سامنے رکھ کر حضراتِ صوفیہ کے ایک نہایت متنازع نظریہ کی معقول توجیہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ رح نے فیوض الحرمین میں "تحقیق شریف" کے نام سے صوفیہ کا ایک حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

ان الاولیاء کثیرًا مَا یلہمون بانّ اللہ تعالیٰ اسقط عنہم التکلیف و انہ خیرھم فی الطّاعات ان شاؤا فعلوھا و ان لم یشاؤا لم یفعلوھا۔

(فیوض مطبع احمدی ص۲۳)

اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم اور اپنے چچا شاہ ابوالرضاء کے متعلق لکھا ہے کہ ان پر بھی اس قسم کا الہام ہوا مگر ان کے والد نے اس کے جواب میں خدا سے دعا کی کہ مجھ پر شرعی تکلیف قائم رہے۔ اور ان کا مسلک یہ تھا کہ کسی عاقل بالغ سے شرعی تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔ اور شاہ ابوالرضاء نے جواب دیا کہ الٰہی! تو نے جنت دینے اور دوزخ سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا، یہ تیرا احسانِ عظیم ہے۔ مگر میری عبادت ہر غرض سے پاک ہے، جو ہر حال میں جاری رہے گی۔

مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے مقرب بندوں کی آزمائش کے لیئے ان پر یہ الہام ہوتا تھا کہ انھیں اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کریں یا نہ کریں۔ اور وہ مقربینِ حق اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے تھے اور اتباعِ شریعت پر قائم رہنے کی

خدا تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس بحث میں اپنی طرف سے یہ توجیہ کی ہے کہ سقوطِ تکلیف میں تکلیف بمعنیٰ مشقت ہے نہ کہ بمعنیٰ ذمہ داری اور فرضیت۔ مطلب یہ کہ اولیاءِ حق کے لئے عبادت عادت بن جاتی ہے اور جس طرح انسان اپنی فطری ضروریات بلا تکلف انجام دیتا ہے اسی طرح اسے نماز روزہ میں زحمت کی بجائے رحمت محسوس ہوتی ہے۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے اپنی مشہور کتاب تزکیۂ نفس میں الہامی علوم اور کشفی ادراک پر جو اعتراضات کئے ہیں اور فیوض الحرمین کی مذکورہ عبارت کو مثال میں پیش کیا ہے ان اعتراضات میں مذکورہ تشریح کے بعد کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ (بحث کا یہ موقع و محل نہیں)

قادیانی تفسیر کی باطل تاویلات

محمد علی صاحب کی قادیانی تفسیر میں تحقیق کا جو پست معیار نظر آتا ہے جس میں انھوں نے قرآنی الفاظ، روایاتِ حدیث اور آثارِ صحابہ کو نظر انداز کر کے اپنی تفسیر کو تفسیر بالرائے (بلکہ تحریف) بنا کر رکھ دیا ہے، اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

شاہی پیمانہ اور بن یامین

(۱) حضرت یوسف کے بھائی بن یامین کے سامان میں شاہی پیالہ رکھنے کا واقعہ مختلف فیہ ہے۔ محمد علی صاحب کی توجیہ یہ ہے کہ بن یامین کے سوتیلے بھائیوں نے یہ شرارت کی اور بن یامین کو چوری کے الزام میں پھنسوانے کے لئے انھوں نے یہ حرکت اختیار کی۔

جمہور علماء اس فعل کو حضرت یوسف کی طرف منسوب کرتے ہیں اور مولانا آزاد بھی جمہور کا ساتھ دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دیدیں، اس کے سامان میں اپنا چاندی کا پیالہ رکھدیا۔"

آگے لکھتے ہیں کہ بن یامین کے سامان میں سے پیالہ برآمد ہونے کے بعد:

"جب حضرت یوسف نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے"

محمد علی صاحب نے اس معاملہ میں حضرت یوسف کے تقدس پر لمبی چوڑی بحث کر کے اپنی تاویل کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر قرآنی الفاظ اس کے متحمل نہیں۔

مولانا آزاد نے اس کی پابندی کی۔

محمد علی صاحب حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتے رہنے کے قائل نہیں اور فَارْتَدَّ بَصِیْرًا کے معنی لکھتے ہیں۔ " تو وہ یقین کرنے والا ہوا "

حالانکہ جمہور ترجمہ کرتے ہیں۔ " اس کی بینائی لوٹ آئی۔ " یعنی حضرت یوسف کے کرتے سے اس کی آنکھیں پھر سے روشن ہوگئیں۔ (ترجمان)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا گریہ

(۲) محمد علی صاحب نے غم فرزند میں حضرت یعقوب کے اس قدر رونے دھونے کو کہ آنکھیں سفید پڑ جائیں۔ ایک رسول کے مقام سے فروتر ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر وہ سب تاویلِ بعید ہے۔

اور بصیر کو بصیرت سے لینا جمہور مفسرین کے خلاف ہے جمہور بصارت سے لیتے ہیں۔ مولانا آزاد ؒ اسی طرف گئے ہیں۔

۳۔ ناسخ و منسوخ

محمد علی قادیانی آیاتِ قرآنی میں ناسخ و منسوخ کے بالکل قائل نہیں جو معتزلہ کا مسلک ہے۔ چنانچہ سورہ نحل آیت (۱۰۱) واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ الخ کا ترجمہ کرتے ہیں۔ اور جب ہم ایک پیغام کی جگہ دوسرا پیغام بھیجتے ہیں "

مولانا آزاد نسخ آیات کے قائل ہیں، وہ یہ ترجمہ کرتے ہیں " اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں " (جلد دوم ۳۳۴)

۴۔ حضرت لوط علیہ السلام کا سہارا

مولانا آزاد بلا وجہ سب سے الگ چلنے کا شوق نہیں رکھتے، بلکہ جمہور علماء کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور محمد علی صاحب میں الگ چلنے کا شوق نظر آتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا قول ہے۔

قال لو ان بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید (ھود ۸۰)

کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا۔

یہ مولانا آزاد کا ترجمہ ہے اور جمہور علماء کے ترجمہ کے مطابق ہے۔ اس ترجمہ میں " رکنِ شدید " سے کوئی معاون اور مددگار مراد ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں حضرت لوط کا ساتھ دیتا۔

تفسیر کا ایک قول یہ ہے کہ اَوْ، بَلْ کے معنی میں ہے اور رکنِ شدید سے خدا کی ذات مراد ہے اور مفہوم یہ ہے کہ۔ بلکہ میں خدا کی پناہ میں آتا ہوں۔

جمہور نے اَوْ کو اپنے اصل معنیٰ (عطف) پر ہی رکھا ہے۔ اس مفہوم میں اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ حضرت لوط ایک غیر قوم (بنی سدوم) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس قوم میں آپ کا کوئی رفیق ومعاون نہ نکلا بلکہ آپ کی بیوی تک گمراہوں کے ساتھ رہی اور عذاب میں گرفتار ہوگئی۔

عالم اسباب میں ہر نبی کو معاونوں کی ضرورت پڑتی ہے، حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اللہ کے کاموں میں میرا مددگار کون ہے؟ حضرت لوط کے اس حسرتناک فقرہ کا یہی مفہوم ہے۔

مولانا حفظ الرحمان نے قصص القرآن میں محمد علی صاحب کی توجیہ کو ترجیح دی ہے اور بخاری شریف کی مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے (جیسا کہ محمد علی صاحب نے کیا ہے) لیکن اس حدیث کا مطلب وہی صحیح ہے جو علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے۔ صاحب قصص کو سہو ہوگیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یرحم اللہ لوطاً لقد کان یاوی الی رکن شدید۔ خدا لوط پر رحم کرے۔ بے شک وہ مضبوط ومستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے یعنی خداوند قدوس کی، مگر اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے حد ضیق کی وجہ سے ادھر خیال نہ گیا، بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جو انبیا مبعوث ہوئے وہ سب بڑے جتھے اور قبیلے والے تھے (حمائل ۲۹۸)

۵ معراج روحانی تھی

محمد علی صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے جسمانی ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ اسے معراج روحانی مانتے ہیں (جلد دوم ۱۱۱۰) اور مولانا آزاد نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کے حکیمانہ نظریات کی روشنی میں اس مسئلہ کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ صحابہ کرام کے دونوں گروہ حق پر تھے، جو حضرات معراج کے جسمانی ہونے کے منکر تھے ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ واقعہ مادی جسم کی نقل وحرکت جیسا نہیں تھا۔ اور جو حضرات اسے روحانی مانتے ہیں ان کے نزدیک یہ محض خواب کا واقعہ نہیں تھا۔ لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہمیں جاگتے میں پیش آتا ہے، نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے ہیں، وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی اور ہماری تعبیرات میں اس کے لئے کوئی

(بقیہ ص ۱۷ پر دیکھیں)

خود نوشت

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمہ اللہ

جنگِ بلقان اور تحریکِ خلافت کے دنوں کی دلچسپ اور ولولہ خیز یادیں
جن میں ہندو لیڈروں کے اصل چہرے بھی نمایاں ہیں۔

تلخیص: عبدالمجید قریشی

وطن عزیز کے شگفتہ نگار ادیب اور معروف نعت گو شاعر حضرت حافظ لدھیانوی اپنی سرگزشت حیات "یادوں کے انمول خزانے" میں مجلس احرار اسلام کے رہنما اور برصغیر کے سحر بیاں اور شعلہ نوا خطیب مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے متعلق یوں رطب اللسان ہیں:

"مولانا حبیب الرحمٰن، لدھیانے کی ممتاز دینی اور سیاسی شخصیت تھے۔ مجلس احرار کے صدر اور کانگریس کے سرکردہ لیڈر تھے۔ سفید رنگ، مزاج میں انتہائی نفاست، گفتگو میں حسین اختصار، مجلسی زندگی میں جاذب نظر، لباس میں انتہائی سادگی و صفائی۔ ان کے لباس پر کبھی میلے پن کا احساس نہ ہوا۔ عموماً کھدر پہنتے۔ کھدر کا حسن ان کے پیکر پر نکھر جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے خوبصورت نقوش سے اس پیکر کو تراشا تھا۔

مولانا کی شخصیت میں قدرت نے عجب لچک رکھی تھی۔ وہی شخص جو بر سرِ منبر مردِ آہن نظر آتا تھا، مجلسی زندگی میں بہار کے جھونکے کی طرح لطیف اور شاخِ گل کی طرح نرم و نازک دکھائی دیتا تھا۔ آواز میں گھن گرج جو جلسوں میں سنائی دیتی تھی، اس کا شائبہ بھی مجلسی زندگی میں نہ پڑتا تھا۔ ایسے دھیمے اور نرم آواز میں گفتگو کرتے کہ حیرت ہوتی تھی کہ یہ وہی شخص ہے جس کا طنطنہ، جس کا رعب، جس کا پروقار لہجہ حکومت کو سراسیمہ کر دیتا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن، علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے اس شعر کی حسین تفسیر تھے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

"مولانا کا مکان ہمارے گھر سے قریب ہی تھا۔ جب کسی بزرگ یا کسی معروف ہستی کی آمد کی خبر ملتی تو

میں مولانا حبیب الرحمٰن کے مکان پر اس کی صحبت سے فیض یاب ہونے' اس کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے' اس کی شخصیت سے علمی و ادبی استفادہ کرنے چلا جاتا۔ اس روز کالج سے لوٹا اور مولانا موصوف کے دولت کدے پر پہنچ گیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ دن کے چار بجے تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی جوانی کا زمانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امیر شریعت کو جمال کا پیکر بنایا تھا۔ حسین خدوخال' بڑی بڑی مسحور کن آنکھیں' گھنگھریالے بال' ستواں ناک' چہرے سے وجاہت اور شرافت نمایاں' آواز میں داؤدی نغمہ تھا۔ جب کلام پاک کی تلاوت فرماتے تو غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ میں نے بے تکلفی سے مولانا حبیب الرحمٰن کے آگے سے چائے کی پیالی اٹھالی۔ شاہ جی نے آداب مجلس کے پیش نظر مجھے جلال سے دیکھا۔ میں لرز گیا۔ اتنے میں مولانا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ شاہ جی کا جلال یکدم جمال میں بدل گیا۔ سمجھ گئے کہ یہ مولانا کا چہیتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن کے حلقہ درس میں نوجوان زیادہ شریک ہوتے۔ ان کی گفتگو' ان کے اخلاق' ان کے مجلسی آداب' ان کا کردار' غرض ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ کسی جلسے میں تقریر کرتے تو معلوم ہوتا کہ اس خوبصورت شخص کو اللہ تعالیٰ نے قوت ایمانی اور جذبہ صداقت سے نوازا ہے۔ فرنگی حکومت نے اس صداقت اظہار کی پاداش میں انہیں زنداں میں ڈالا' تکالیف پہنچائیں' قید تنہائی جیسی اذیت ناک سزا دی' مگر انہوں نے حق گوئی سے سرمو انحراف نہ کیا۔ انہیں پانچ سال قید تنہائی کاٹنا پڑی۔ اگر انسان ایک روز بھی اکیلا کمرے میں بند رہے تو اس کے لیے یہ لمحات سوہان روح بن جاتے ہیں پھر پانچ سال کا طویل عرصہ مولانا نے نہایت صبرو استقلال سے گزارا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را"

قائد احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا مختصر مگر خوبصورت تعارف آپ نے ان کے ایک دیرینہ مداح حضرت حافظ لدھیانوی کے توسط سے ملاحظہ فرمایا۔ آیئے اب ہم اس مرد مجاہد کی خود نوشت سرگزشت حیات کی جانب رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کی جنگ آزادی میں کیا کردار ادا کیا۔ یہ داستان انہی کے الفاظ میں سنئے :

☆☆☆

میری تاریخ پیدائش ۳ جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۱۱۔ صفر ۱۳۱۰ھ ہے۔ میرے والد مولانا محمد زکریا اپنے والد مولانا عبدالقادر مجاہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اکلوتے بیٹے تھے اور میں ان کا پہلا بچہ تھا' اس لیے دادا اور دادی کو پوتے سے جو قدرتی پیار ہونا چاہیے' وہ مجھے دادا' دادی کی آغوش میں میسر آیا۔ یہ دونوں مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ دادا صاحب مرحوم وقت کے فقیہ' ولی اور مجاہد تھے۔ وہ ہر وقت مجھے اپنے ساتھ رکھتے۔ جب میں کچھ بڑا ہوا تو مجھے تقریر اور وعظ سکھانے لگے۔ مجھے فرصت کے وقت منبر پر بٹھا کر خود مراقب ہو کر بیٹھ جاتے اور مجھ سے فرماتے کہ بیٹا تقریر کرو۔ میں دن بھر جو کچھ باتیں ان سے سنا کرتا وہی کہنا شروع کر دیتا۔ دادا صاحب کی تربیت اور توجہ کا یہ اثر ہوا کہ مجھے اسلام سے والہانہ محبت اور انگریز کی غلامی سے نفرت ہو گئی۔ دادا صاحب مرحوم ۱۹۰۳ء میں وفات پا گئے اور میں ان کی شفقت اور فیضان نظر سے محروم ہو گیا۔

میں نے قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم گھر کے مدرسے لدھیانے میں ہی پائی' لیکن بعد ازاں اس دور کے قرب و جوار کے مدرسوں میں حدیث'

تفسیر اور فقہ کی تعلیم کے لیے حاضر ہوتا رہا۔ اساتذہ میں نہایت شفیق اور مہربان مولانا نور احمد پسروری تھے۔ وہ کئی سال مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے تھے۔ وہ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کے شاگرد اور حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید تھے۔ مولانا نور احمد صاحب کے پڑھانے میں کچھ ایسی برکت تھی کہ سبق پڑھتے پڑھتے یاد ہو جاتا۔ انہوں نے مجھے ایک نابینا حافظ سے علم تجوید کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی مشق بھی کروائی جو مستقبل میں میرے لیے بڑی فیض رساں ثابت ہوئی۔

میں ۱۹۱۲ء تک مولانا نور احمد صاحب کے مدرسے ہی میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس برس جنگ بلقان چھڑ گئی اور میں تعلیم سے فارغ ہو کر لدھیانے آ گیا۔ ترکوں اور یورپی مظالم کی خبریں پڑھ کر میں بہت بے چین رہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ انگریزوں کے خلاف کچھ کروں، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کیا کروں۔ میں اپنی بے بسی پر گھنٹوں مسجد میں بیٹھ کر دعا کر کے رویا کرتا کہ کوئی راستہ انگریزوں کے خلاف کام کرنے کا ملے۔ ایک دن شہر کے چند نوجوان دوستوں سے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو انہوں نے میری باتیں سن کر اسلامیہ اسکول لدھیانہ کے سامنے والے میدان میں جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کر دیا کہ آج مولانا حبیب الرحمن کا وعظ ہو گا اور ترکوں کی ہمدردی میں تقریریں بھی ہوں گی۔ اس اعلان کا ہونا تھا کہ شہر کے ہندو، مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ جلسے میں شہر کے امراء، رؤساء، وکلاء، ڈاکٹر غرض ہر طبقہ خیال کے لوگ موجود تھے۔ سی آئی ڈی کے رپورٹر بھی خاصی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ اسٹیج پر میں تھا یا میرے چند نوجوان ساتھی، کسی اور کو یہ توفیق یا ہمت نہ تھی کہ وہ اسٹیج پر آ کر بیٹھے۔ میری تقریر ترکوں کی حمایت میں تقریباً ایک گھنٹے تک ہوئی۔ تقریر سن کر لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اپنی نوعیت کا یہ پہلا جلسہ تھا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد میں گھر آ گیا۔ رات بھر مجھے بڑی خوشی رہی۔ اسی رات والد صاحب کے پاس ان کے ایک دوست آئے اور کہا کہ آپ کے صاحبزادے دادا پردادا کے رنگ پر جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان پر جذبہ شہادت سوار ہے۔ پھانسی سے کم ان کو سزا نہ ہو گی، اس لیے آپ انہیں مناسب طریقے پر چلائیے۔ حالات ایسے نہیں کہ اتنی تیزی دکھائی جائے۔ والد صاحب نے ان سے تو کچھ نہ کہا، لیکن دوسری صبح مجھے ساتھ لے کر دیوبند روانہ ہو گئے۔

مجھے مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں دارالعلوم میں داخل کرا دیا گیا۔ والد صاحب نے میری تقریر کا قصہ بھی مہتمم صاحب کو سنا دیا، لیکن انہوں نے اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ مولانا حبیب الرحمن نے میری دیکھ بھال اور نگرانی کچھ ایسے انداز سے کی جس کی وجہ سے میں ان کو اپنا پہلا سیاسی استاد مانتا ہوں۔ وہ میرے جذبات کی بڑی قدر کرتے اور مجھے سیاسی رموز و نکات سمجھایا کرتے بلکہ میں نے اکثر پرانے بزرگوں کے سیاسی حالات بھی ان سے سنے۔ دارالعلوم دیوبند میں مجھے بڑا اطمینان اور سکون قلب حاصل ہوا۔ ویسے بھی دارالعلوم میں اندرونی طور پر نہایت گہری سیاسی تنظیم اور تحریک چل رہی تھی جو میرے جذبات کے عین مطابق تھی۔

تعلیم کے سلسلے میں میرے اسباق شیخ الاسلام خاتم المحدثین مولانا انور شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تھے۔ مجھے فہم قرآن اور علم حدیث میں جو کچھ بھی میسر آیا وہ سب حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہ اور فیضان صحبت کا نتیجہ ہے۔ سبق کے بعد ان کی خدمت میں حاضر رہتا اور وہ بھی بڑی شفقت و محبت

سے مجھے خدمت کا موقع دیتے۔ حضرت شاہ صاحب کو میری طالب علمی کے زمانے ہی سے مجھ سے اور میرے خاندان سے اس قدر انسیت پیدا ہوگئی تھی کہ سال میں ایک مرتبہ لدھیانے ضرور تشریف لاتے اور کئی کئی دن ہمارے ہاں قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ میں جیل میں تھا کہ حضرت شاہ صاحب بلا کسی اطلاع کے تشریف لائے۔ بیٹھک میں سامان رکھا اور اپنے خادم کے ہمراہ خود ہی بیٹھک کی صفائی فرمانے لگے۔ میری لڑکی کو معلوم ہوا تو معذرت کی اور بیٹھک کی صفائی کرنے لگی۔ حضرت شاہ صاحب فرمانے لگے کہ بیٹی یہ میرا گھر ہے اور گھر والے اپنے گھر کی خود ہی صفائی کیا کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے تحریک خلافت کے زمانے سے لے کر تحریک احرار کے زمانے تک میری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سرپرستی فرمائی۔ انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں جماعت احرار کا نقطہ نظر اور اسلام میں ختم نبوت کی بنیادی اہمیت سمجھانے کے لیے ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کی اور ان کو ختم نبوت کے متعلق اپنا رسالہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے فوراً بعد ہی ڈاکٹر اقبال نے کشمیر کمیٹی کی رکنیت سے استعفا دے دیا جس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی تھے۔ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے قادیانیوں کے خلاف متعدد مضامین لکھے۔ ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ علم و فضل میں شاہ صاحب سے بڑا شخص میری نظر سے نہیں گزرا۔

انہی دنوں حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے انجمن خدام الدین لاہور کے مشہور جلسے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو "امیر شریعت" کا خطاب دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اعلان فرمایا۔ اعلان کے بعد جب حضرت شاہ صاحب نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی طرف بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے بڑے رقت آمیز لہجے میں فرمایا کہ حضرت مجھے اپنے دست مبارک پر بیعت ہونے کی اجازت دیجیے، لیکن شاہ صاحب مصرر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو جمعیت علمائے ہند کے ایک جلسے میں حضرت شاہ صاحب نے "امام الہند" کے خطاب سے نوازا۔ انہوں نے علما کی بھری محفل میں فرمایا کہ میں مولانا آزاد کو "امام الہند" کے خطاب کا مستحق سمجھتا ہوں۔ مولانا آزاد کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی مولانا انور شاہ صاحب دہلی تشریف لاتے، مولانا آزاد ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گھنٹوں باادب دوزانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھے رہتے۔ ایک مرتبہ مولانا آزاد، ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر ٹھہرے ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ان سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ انہوں نے فوراً اپنی مصروفیات ترک کر دیں اور ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

دیوبند کے زمانہ تعلیم میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا سراج احمد صاحب، میاں اصغر حسین صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب، غرض سب بزرگ اس وقت حیات تھے۔ ہر نئے آنے والے کو وہاں نورانیت کا احساس ہوتا۔ دارالعلوم کے طلبہ کی اکثریت صاحب نسبت اور شب بیدار تھی۔ مدرسین کی یہ خواہش رہتی تھی کہ جو طالب علم بھی مدرسہ دیوبند سے فارغ ہو، وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی زندگی کا بھی بہترین نمونہ بن کر نکلے اور جو ہر تابدار کی طرح دنیا میں چمکے۔

میں ۱۹۱۹ء کے شروع میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ سیاسی جلسوں میں مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم کی اجازت اور حضرت شاہ صاحب کے ارشاد پر جانے لگا۔ والد صاحب کو خبر ہوئی تو وہ دیوبند تشریف لائے اور مولانا حبیب الرحمٰن سے میرے سیاسی کام کرنے کے بارے میں بات کی۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کے

صاحبزادے پھانسی سے تو بچ گئے ہیں، لیکن جیل سے نہیں بچ سکتے، اس لیے انھیں سیاسی کام سے روکنا مناسب نہیں۔ اور اس طرح میری سیاسی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ بقول حضرت جگر مراد آبادی۔

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر
ہر طریقہ داخل آداب زنداں ہو گیا

۱۹۱۹ء میں جب گاندھی جی نے کانگرس کی تحریک ستیہ گرہ کا آغاز کیا تو جلیاں والا باغ امرتسر میں ہزاروں بے گناہ ہندو، مسلمان اور سکھ انگریزوں نے مشین گنوں سے بھون دیے۔ پورے ہندوستان میں کہرام مچ گیا اور انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں جذبات بھڑک اٹھے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگرس کا اجلاس امرتسر میں ہوا۔ اس کے ساتھ مسلم لیگ اور جمعیت علما کے اجلاس بھی وہیں منعقد ہوئے۔ یہ تینوں جماعتیں انگریز دشمنی میں ایک ہی راستے پر گامزن تھیں۔ مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی کہ مسلمانوں کو گائے کی قربانی بند کر دینی چاہیے۔ علی برادران بھی اسی موقع پر جیل سے سیدھے امرتسر پہنچے۔ تمام جماعتوں اور امرتسر کے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے ان دونوں بھائیوں کا نہایت شاندار اور تاریخی استقبال کیا۔

امرتسر ان دنوں ہندو، مسلم اور سکھ اتحاد کا ایک یادگار مرکز بن چکا تھا۔ کانگرس کے پنڈال کے باہر ہزارہا مسلمان پانچوں وقت باجماعت نماز پڑھتے اور ہندو اور سکھ رضاکار نماز کے انتظامات کرتے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ نے رات کو کانگرس کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھتے دیکھ کر میرے دل و دماغ پر روحانی کیفیت طاری ہو گئی۔

امرتسر کا اجلاس ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کے اتحاد کی ایسی تاریخ ہے جو پھر کبھی دہرائی نہیں جا سکی۔ شہیدان جلیاں والا کے خون نے ہندوستانیوں کو ایک ایسے رنگ میں رنگ دیا تھا جس کے اثرات سے انگریزی حکومت گھبرا گئی اور اچانک وائسرائے ہند نے ایک آرڈیننس جاری کیا کہ جو شخص خلافت، کانگرس اور جمعیۃ العلما کا والنٹیر بنے گا اس کو چھ ماہ قید اور جو والنٹیر بنائے گا اس کو تین سال کی قید ہوگی۔ گاندھی جی نے جب آرڈیننس کو پڑھا تو مارے خوشی کے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کا شکر ہے انگریز نے ستیہ گرہ تحریک کے لیے خود ہی دروازہ کھول دیا ہے۔ اس کے بعد گاندھی جی نے ملک میں سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان کر دیا۔

لاہور کانگرس کے دفتر سے لالہ لاجپت رائے، آغا محمد صفدر، ملک لال خاں اور لالہ دھنی چند انبالوی گرفتار کر لیے گئے۔ لاہور کے بعد لدھیانے میں سول نافرمانی اور گرفتاریوں کا دور شروع ہوا اور ماسٹر تاج الدین انصاری والنٹیروں کے جتھے کے ہمراہ جس میں ہندو، مسلمان اور سکھ نوجوان شریک تھے، بازار میں نکلے۔ یہ پنجاب میں والنٹیروں کا پہلا جتھا تھا جو گرفتار ہوا۔ دوسرے دن میرے چھوٹے بھائی مولانا محمد یحییٰ فاضل دیوبند دو سو رضاکاروں کو ساتھ لے کر سول نافرمانی کرتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔ تیسرے روز لدھیانے کے مدرسہ نابینا کے ایک سو حافظ قرآن طلبہ نے اپنے استاد مولانا محمد یٰسین کی سرکردگی میں سول نافرمانی کی۔ اندھوں کی سول نافرمانی کے اقدام نے سارے شہر میں آگ لگا دی اور حکومت خوف زدہ ہو گئی۔ حکومت نے صرف مولانا محمد یٰسین کو گرفتار کیا اور اندھوں کو کوتوالی لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔ غرض دس روز میں تین ہزار کے قریب ہندو، مسلمان اور سکھ رضاکار جیل میں پہنچ گئے۔ بعد ازاں ایک جلوس برقع پوش مسلمان خواتین کا بھی نکلا، مگر پولیس انھیں

گرفتار کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔

میں ان دنوں لدھیانے سے باہر تھا۔ جوں ہی واپس آیا' اسی رات میری تقریر کے لیے ایک شاندار جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ اپنی تقریر میں لوگوں کو میں نے دو نعرے لگانے کی تلقین کی۔ یہ دو نعرے "ہندو مسلم بھائی بھائی" اور "انقلاب زندہ باد" تھے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے راتوں رات گرفتار کر لیا جائے گا' مگر ایسا نہ ہوا' تاہم اگلی صبح میری گرفتاری کا وارنٹ لے کر پولیس میرے مکان پر پہنچ گئی۔ پولیس افسران چاہتے تھے کہ مجھے ہتھکڑی لگائے بغیر جیل لے جائیں' مگر میں نے انکار کر دیا۔ مجبوراً پولیس کو ہتھکڑی لگانا پڑی۔ لوہے کی زنجیریں جب میرے ہاتھوں میں ڈالی گئیں تو مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ سچائی اور آزادی کے راستے میں کام کرنے والے اہل حق اور مجاہدین کی سنت ادا کر رہا ہوں۔

میری گرفتاری پر شہر میں جوش پھیل گیا۔ ہزاروں لوگ آن کی آن میں والنٹیر بن گئے۔ شہر کا شہر پولیس کے قابو سے باہر ہو گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر میرا مقدمہ جیل ہی میں چلایا گیا اور ایک ہندوستانی مجسٹریٹ نے مجھے چھ ماہ قید سخت اور ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا دی۔ فیصلے کے بعد مجسٹریٹ نے میرے کان میں کہا کہ یہ سزا بہت سخت ہے' لیکن ڈپٹی کمشنر کا یہی حکم تھا' مجبور ہوں۔

لدھیانہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ "کرنل دیوان حکومت رائے" تھے۔ انہوں نے بڑی جرات اور شرافت کے ساتھ سیاسی قیدیوں کو جیل میں رکھا۔ ان کے حسن سلوک کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

لدھیانہ جیل میں چند ہی دن گزرے تھے کہ مجھے' میرے بھائی محمد یحییٰ اور ماسٹر تاج الدین انصاری کو انبالہ جیل منتقل کر دیا گیا۔ میرا اور میرے ساتھیوں کا سامان باندھا گیا۔ ہم ریلوے اسٹیشن پہنچے ہی تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ وہاں آن پہنچے اور "زندہ باد" کے نعروں سے اسٹیشن کی فضا گونج اٹھی۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس لوگوں کا ہجوم دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے تین بار ڈنڈوں اور لاٹھیوں کے زور سے پلیٹ فارم خالی کرانے کی کوشش کی' لیکن ہجوم پہلے سے زیادہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس خود تین بار ہجوم کی جانب دوڑا اور اس کشمکش میں گرنے تک کی نوبت آگئی۔

انبالہ جیل میں پہنچے دو ہی دن ہوئے تھے کہ ہم تینوں کا تبادلہ میانوالی جیل کر دیا گیا۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں رکھا گیا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کون کہاں ہے۔ بڑی رازداری سے کام لیا جا رہا تھا۔ اس وقت جیل میں ستر کے قریب قیدی آ چکے تھے' مگر ان کو ہماری خبر تھی نہ ہمیں ان کی۔ غرض ہم ایسی جگہ تھے کہ بقول غالب۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کوئی اپنی خبر نہیں آتی

میانوالی جیل سیاسی قیدیوں کے لیے کالا پانی بنی ہوئی تھی۔ اس جیل کا سپرنٹنڈنٹ نرم خو' لیکن جیلر بہت سخت تھا۔ یہاں سب سے پہلے مولانا سید حبیب ایڈیٹر روزنامہ "سیاست" لاہور تشریف لائے تھے۔ ان کے بعد اس جیل کی چار دیواری میں مولانا احمد سعید ناظم جمعیت علمائے ہند اور عبدالعزیز انصاری ایم اے داخل ہوئے۔ ان حضرات سے بان بٹنے کی مشقت لی جاتی تھی۔ بعدازاں اس جیل میں ڈاکٹر ستیاپال' لالہ شنکر لال دہلوی' لالہ دیش بندھو گپتا' مولانا عبداللہ چوڑی والے' پنڈت نیکی رام شرما' مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا اختر علی خاں' مولوی لقاء اللہ پانی پتی' مولانا عبدالمجید سالک اور سوامی شردھانند بھی آ گئے۔

جیل میں تمام ہندو، مسلمان اور سکھ قیدی بھائیوں کی طرح رہتے۔ قیدی حضرات سب اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، اس لیے میانوالی جیل ان کی موجودگی سے مجلس علم و ادب میں تبدیل ہو گئی، بقول عبدالمجید سالک جیل کی زندگی ہنسی خوشی اور تعلیم و تفریح میں گزرنے لگی۔ نماز باجماعت ادا کی جاتی۔ صبح کی چائے کے بعد مولانا احمد سعید درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے۔ مولانا داؤد غزنوی انگریزی پڑھتے۔ مولانا سید حبیب، عربی اور لالہ دیش بندھو گپتا، فارسی میرے بھائی یحییٰ سے پڑھتے۔ دوسروں نے مطالعے کا مشغلہ اختیار کیا اور اس طرح جیل کی تلخیوں پر آرام سے قابو پا لیا۔

جیل میں علیحدہ علیحدہ دو لنگر تھے۔ ایک میں ہندوؤں کے لیے اور دوسرے میں مسلمانوں کے لیے کھانا پکتا، لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اکثر ہندو دوست اپنے لنگر کو چھوڑ کر ہمارے لنگر میں شامل ہو گئے، اس لیے کہ مسلمانوں کے لنگر کا انتظام بہت اچھا تھا۔ گوشت کے علاوہ سبزی اور دال بھی بہت عمدہ پکائی جاتی تھی۔ دہلی کے مولانا عبداللہ چوڑی والے ہمارے لنگر کے منتظم تھے۔ انھیں دہلی کے کھانے پکانے میں خاص ملکہ تھا۔

میانوالی جیل میں مسلمانوں کے دسترخوان میں ہندو نوجوانوں کی شمولیت، ان کی آزاد خیالی اور چھوت چھات سے نفرت سوامی شردھانند کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی۔ انہوں نے پہلے تو ہندوؤں کو مسلمانوں کے دسترخوان پر ساتھ کھانے سے منع کیا اور کہا کہ آپ لوگ مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ سوامی شردھانند کے نزدیک ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا، کھانا مسلمان ہونے کے برابر تھا، لیکن ہندو نوجوانوں نے سوامی جی کی بات نہ مانی۔ اس ناکامی کے بعد انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر تحریک خلافت اور ستیہ گرہ کے یہی معنی ہیں کہ دسترخوان پر ہندو، مسلمان کی تفریق ختم ہو جائے تو میں آزادی ہند کی ایسی تحریک سے متفق نہیں، چنانچہ انہوں نے سول نافرمانی کی تحریک سے اپنا اقدام واپس لے لیا اور نہایت ڈرامائی انداز میں رہا ہو گئے۔ جیل سے رہا ہوتے ہی انہوں نے شدھی سنگٹھن کا فتنہ کھڑا کر دیا اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔

وقت انتہائی اطمینان سے گزر رہا تھا کہ اچانک مجھے میانوالی سے دھرم سالہ جیل تبدیل کر دیا گیا۔ میں اس حکم سے بہت دلبرداشتہ ہوا کہ اچھے ساتھیوں کی صحبت اور پرلطف علمی مجالس سے محروم ہو جاؤں گا، لیکن قہر درویش بر جان درویش کے مصداق دھرم سالہ جانا پڑا۔ وہاں پہنچا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ وہاں پنجاب کے مشہور سیاسی رہنما لالہ لاجپت رائے بھی موجود ہیں۔ لالہ صاحب جگراؤں ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ اس لیے کچھ ان سے وطنی تعلق اور کچھ ان کی بزرگی، میں نے ان کی بھرپور خدمت کی اور یوں میرے مشفق بلکہ دوست بن گئے۔

لالہ جی سے سیاسی معاملات پر اکثر تبادلہ خیال ہوتا رہتا۔ مجھے ان سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔ لالہ جی میرے غور و فکر کی بڑی قدر کرتے اور میرے حافظے کی داد دیتے۔ انہوں نے مجھ سے کئی بار کہا کہ آپ مجھ سے انگریزی پڑھ لیجیے، ملکی سیاست میں آگے چل کر انگریزی زبان آپ کی بڑی مدد کرے گی۔ میں جواب میں کہتا کہ مجھے انگریز اور انگریزی دونوں سے غلامی کی بو آتی ہے اور میں بدبو سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اس پر لالہ جی کہتے تمہارا یہ جذبہ قابل قدر ہے۔ تمہارے اس یقین پر مجھے رشک آتا ہے۔ لالہ جی کے ساتھ رہتے ہوئے ابھی تین ماہ گزرے تھے کہ مجھے دھرم سالہ جیل سے لدھیانہ جیل منتقل کر دیا گیا۔

لدھیانہ جیل میں ڈپٹی کمشنر مسٹر ہلٹن ملنے آئے اور مجھ سے کہا کہ مولانا صاحب، شہر کے لوگ آپ سے ملاقات کے بہت مشتاق ہیں۔ آپ اگر ضمانت پر رہا ہو جائیں تو آپ کے لیے بہت بہتر ہو گا۔ اس طرح لوگوں کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور مقدمے کی پیروی بھی آپ آسانی سے کر سکیں گے۔ میں انگریز کی چال بازی اور سیاست کو خوب سمجھ گیا۔ میں نے کہا کہ میں حکومت کا باغی ہوں، میری ضمانت کون دے گا؟ ڈپٹی کمشنر نے جواب دیا کہ ضمانت کا انتظام میں کرائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا: "جناب آپ کی شفقت اور مہربانی کا شکریہ، لیکن میں آپ کی نیت کو بخوبی سمجھتا ہوں۔ آپ ضمانت کی آڑ میں میرے سیاسی کردار کو داغ دار کرنا چاہتے ہیں، اس لیے میں ضمانت پر رہا ہونے کے لیے تیار نہیں۔" ڈپٹی کمشنر کو میرے اس جواب سے مایوسی تو ہوئی، لیکن اس کے دل میں میری عزت پیدا ہو گئی۔ وہ حاکمانہ انداز چھوڑ کر دوستانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی بات میرے لائق ہو تو بتائیے۔ میں نے کہا کہ میری صرف ایک خواہش ہے کہ مجھے دوبارہ دھرم سالہ جیل بھیج دیا جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے وعدہ کیا اور ہفتے عشرے میں مجھے واپس دھرم سالہ بھیج دیا گیا۔

لدھیانہ جیل کے آٹھ دس روزہ قیام کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ ایک ہزار روپے جرمانے کی وصولی کے سلسلے میں میرے گھر کا تمام سامان، بیوی، بچیوں کے معمولی زیورات یعنی کانوں کی بالیاں تک اتروا کر گورنمنٹ نے ضبط کر لی ہیں۔ میری بیوی اور بچیاں مجھ سے ملنے آئیں تو ان کو سامان کی ضبطی یا زیورات کے چھن جانے کا کچھ ملال نہ تھا بلکہ میری بیوی نے اس بات کا مجھ سے کوئی ذکر ہی نہ کیا۔ میں اپنی بیوی کی اس بہادری اور اطمینان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ خاندانی اثر تھا کیونکہ ان کے والد مولانا عبدالعزیز خود ۱۸۵۷ء کو خوفناک مصائب سے گھر چکے تھے۔

میں دھرم سالہ جیل پہنچا تو لالہ لاجپت رائے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مجھے یہاں آئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ شیخ حسام الدین امرتسری انبالہ جیل سے دھرم سالہ آن پہنچے۔ اب ہم تین قیدی ہو گئے اور وقت بہت آرام و اطمینان سے گزرنے لگا۔

لالہ لاجپت رائے اردو اور فارسی کے بڑے اچھے عالم تھے۔ ڈاکٹر اقبال کا اکثر کلام انھیں زبانی یاد تھا۔ علامہ کی نظم "خضر راہ" کو وہ بہت شوق سے پڑھتے تھے۔ ہندو مسلم مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے، خاص طور سے پنجابی مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور ہندوؤں کی اقتصادی برتری ملک میں ہندو مسلم اتحاد کو زیادہ دیر نہ چلنے دے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر پنجاب کے ہندوؤں نے سود لینا نہ چھوڑا، دیہات میں لڑکیوں کو رہن رکھنے سے باز نہ آئے، مسلمانوں کو اپنی منڈیوں میں جگہ نہ دی تو پنجاب کے ہندوؤں کو ایک نہ ایک دن اس قدر نقصان اٹھانا پڑے گا جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہندو مسلم فسادات کو وہ سرمایہ داری اور غربت کی جنگ قرار دیتے تھے، چنانچہ جیل سے نکلتے ہی لالہ جی نے پنجاب کے ہندوؤں کو اقتصادی بنیادوں پر بہت کچھ سمجھایا، لیکن ان کی بات کسی نے نہ مانی۔

انگریزی دور میں ہندوستانی جیلوں میں اس وقت درجہ بندی نہ تھی۔ پھر بھی لیڈر حضرات کو کچھ نہ کچھ مراعات ضرور حاصل تھیں، لیکن رضاکار قیدیوں کا برا حال تھا۔ ان پر جو ظلم و ستم توڑا جاتا اسے بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ میں جب پہلے پہل لدھیانہ جیل میں داخل ہوا تو اس وقت تقریباً تین سو رضاکاروں نے جیل حکام کے روپے کے

خلاف بھوک ہڑتال کی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا اور میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔ میں نے کوشش کی کہ جیل حکام اور رضاکاروں میں صلح ہو جائے۔ اس مہم میں مجھے کامیابی ہوئی اور جیل حکام کو رضاکاروں کے سامنے جھکنا پڑا۔ رضاکاروں کو جیل کے باہر سے چیزیں منگوانے کی اجازت دے دی گئی اور یہی رضاکاروں کا مطالبہ تھا' لیکن چھ سات دن کے بعد جیل حکام پھر بدعہدی پر اتر آئے۔ اس روز جیل کے لنگر میں جو دال پکائی گئی اس میں نہ صرف بہت سی مرچیں بلکہ پرانے جوتے بھی ڈال دیے گئے۔ اس دال کو دیکھ کر رضاکاروں میں پھر جوش پھیل گیا۔ یہ دال لے کر وہ میرے پاس آئے۔ ان کا غیظ و غضب دیکھ کر میں نے سوچا کہیں رضاکار تشدد پر نہ اتر آئیں اور یہ امر لڑائی کا پیش خیمہ نہ بن جائے' چنانچہ میں نے ذرا سخت انداز میں ان سے کہا کہ یہ جیل ہے' یہاں گھر کی طرح کھانے نہیں مل سکتے۔ یہ کہہ کر میں دال کا پیالہ اٹھا کر پی گیا۔ میرے اس عمل نے رضاکاروں کے جذبات تو ٹھنڈے کر دیئے' لیکن یہ بدبودار دال اور وہ بھی زیادہ مقدار میں پینے سے

میرے معدے کا نظام بگڑ گیا اور مجھے خونی پیچش ہو گئی۔ مجھے چودہ دن تک خون کے دست آتے رہے۔ بڑی مشکل سے سول سرجن نے اس پر قابو پایا۔ دھرم سالہ جیل جا کر بھی خاصے دنوں علاج ہوتا رہا' لیکن اس بیماری نے ایسی جڑ پکڑی کہ ذرا سی بدپرہیزی سے دست آنے لگتے یا شدید قسم کا قبض ہو جاتا۔ اس ایک بیماری سے بعض دوسری بیماریاں بھی لاحق ہو گئیں۔ کھانے کا ذائقہ ختم ہو گیا۔ پرہیز اس درجے کا کہ مجھے سرخ مرچ کھائے پورے پینتیس سال ہو گئے۔ صرف نمکین شوربہ اور سبزیاں کھاتا ہوں۔

عرصہ قید و بند گزار کر جب میں رہا ہوا اور لدھیانے پہنچا تو گھر کی تباہی دروازے ہی سے نظر آ رہی تھی۔ گھر کی کچی چار دیواری گر چکی تھی اور میری اہلیہ نے رسی باندھ کر اس پر ٹاٹ کے پردے ڈال دیے تھے۔ آخر آہستہ آہستہ میں نے گھر کا کچھ سامان درست کیا اور اس طرح پھر گھر کی زندگی کچھ چلنے لگی' لیکن یہ ایک وقفہ تھا۔

یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر ☆

(بشکریہ اردو ڈائجسٹ لاہور جون ۱۹۹۵ء)

اپنے عطیات اور زکواۃ و صدقات

مدرسہ معمورہ ملتان

کو عنایت فرمائیں

مدرسہ میں رہائش پذیر طلباء کے اخراجات اور

نئی درسگاہوں اور رہائشی کمروں کی تعمیر کے لئے اہل خیر حضرات فوراً توجہ فرمائیں

ترسیل زر کا پتہ

بذریعہ منی آرڈر:۔ سید عطاء المحسن بخاری۔ مہتمم مدرسہ معمورہ

دار بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان۔ فون:۔ 511961

بذریعہ بینک:۔ اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان۔

مولانا مشتاق احمد (چنیوٹ)

ناقابلِ تردید:

تضادات مرزا قادیانی

قرآن مجید ایک ابدی صحیفۂ ہدایت ہے جو کہ حضرت جبرئیل کے واسطہ سے حضرت نبی اکرم ﷺ پر اترا اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت یہ قوۃ استدلال، سادگی و تاثیر، نکتہ گیری و ہمہ گیری کا کوئی مقابلہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔

قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے تضادات سے پاک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ولو کان من عند غیر اللہ لو جد وافیہ اختلا فاکثیراً

(اور اگر قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے تفسیری حواشی میں لکھتے ہیں۔ اور نیز یہ مطلب بھی ہے کہ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا کوئی جملہ فصیح کوئی غیر فصیح کوئی صحیح کوئی غلط کوئی سچا کوئی کاذب کوئی موافق کوئی باہم متناقض ضرور معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید اتنی بڑی کتاب ان جملہ اختلافات سے پاک ہے جو طاقت بشر سے باہر ہے (تحت آیت مذکورہ)

قرآن مجید کے ساتھ تقابلی انداز میں کسی اور کا ذکر کرنا اگرچہ ذوقِ سلیم پر گراں تر ہے لیکن مجبوراً لکھنا پڑتا ہے کہ بد قسمتی سے انگریز کے زیر سایہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوی نبوت کیا اور اپنی وحی کو قرآن مجید کے برابر اور ہمہ قسم کے تضادات سے پاک قرار دیا (حقیقت الوحی ص ۱۰۸) نیز یہ دعویٰ بھی کیا کہ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا جو کچھ کہتا ہوں وہ وحی الٰہی ہے

وما ینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحی (تذکرہ ص ۳۸۸)

اسطرح مرزا صاحب کے زعم کے مطابق ان کے سارے اقوال و تحریرات وحی الٰہی ہیں۔

چنانچہ ضروری معلوم ہوا کہ ایک رسالہ کی شکل میں مرزا کے اس دعوے کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور عوام الناس کو بتایا جائے کہ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو زرتابی قباؤں میں سحر کا نام لیکر رات کی تعلیم کرتے ہیں۔ آخر میں چند وضاحتیں حسب ذیل ہیں۔

قادیانیوں کی یہ عادت ہے کہ وہ پروپیگنڈہ بہت کرتے ہیں کہ علماء ہمارے مرزا صاحب کی عبارات سیاق و سباق سے ہٹ کر پیش کرتے ہیں حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہوتا اور نہ ہی اس رسالہ میں ایسا کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب کی عبارات مکمل ذمہ داری سے نقل کی گئی ہیں۔

مرزا صاحب کی کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جو ایڈیشن ہمارے سامنے تھے ان سے حوالہ جات بڑی احتیاط سے نقل کئے گئے ہیں۔ قادیانی ناواقف مسلمانوں کے سامنے مختلف ایڈیشن پیش کر کے حوالہ غلط

ہونے کا یقین دلانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اس لئے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔
ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال میں تضاد ثابت کیا جائے لیکن بعض مقامات پر موافقت عنوان کی وجہ سے مرزا صاحب کے قول و فعل میں تضادات اور مرزا محمود اور مرزا قادیانی (باپ بیٹے) کے اقوال میں تضادات بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو اپنی بارگہ میں قبول فرما کر احقر مؤلف کے لئے ذریعہ نجات اور بھولے بھٹکے قادیانیوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائیں۔

تمھید

مرزا غلام احمد قادیانی مجموعۂ اضداد تھا۔ اس نے بیک وقت متضاد دعوے کئے اور دعاوی کے لحاظ سے اپنے لئے متعدد نام، القاب تجویز کئے مولانا محمد رفیق دلاوری مصنف "رئیس قادیان" کی تحقیق کے مطابق مرزا صاحب کے اسماء و القاب کی تعداد ننانوے تک جا پہنچتی ہے۔ عیسائیوں کے نظریہ ایک تین میں تین ایک میں کی طرح مرزا صاحب کے دعاوی اور خود ساختہ عہدے بھی انسانی فہم و فراست سے بالاتر ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مرزا صاحب نے ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں کے نام بیک وقت اپنے لئے تجویز کئے تو انہیں تضادات کا مرکب بننا ہی تھا۔

تضادات مرزا کی وجوہ

مرزا صاحب کی ذات اور ان کی تحریرات میں یہ تضاد کیوں پیدا ہوئے؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کے لئے مرزا صاحب کا گہرا نفسیاتی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ تاہم سرسری غور کرنے سے مرزا صاحب کے تضادات کی حسب ذیل وجوہ سمجھ آتی ہیں۔

۱۔ مثل مشہور ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ مرزا صاحب چونکہ بڑی مہارت سے جھوٹ بولنے کے عادی تھے اس لئے جھوٹ کی نحوست ان پر طاری ہوئی کہ نسیان کے مریض بن گئے اور ان کو یاد نہ رہتا تھا کہ میں نے پہلے کیا لکھا ہے اور اب کیا لکھ رہا ہوں اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک ہی صفحہ پر متضاد باتیں لکھ جاتے تھے اور پتہ نہ چلتا تھا۔

۲۔ اپنے مؤقف کی تبدیلی کی وجہ سے بھی تضاد پیدا ہوا اور ایسے تضادات کا مرزا صاحب کو بھی اقرار ہے دیکھیں "اعجاز احمدی" ص ۸ ایام الصلح ص ۴۳۔ اس پر مزید بحث آگے آرہی ہے۔

۳۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی کو ایک جھوٹ کے چھپانے کے لئے کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ مرزا صاحب کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ مثلاً اپنی جھوٹی پیش گوئیوں پر (جو کہ پوری نہ ہو سکیں) پردہ ڈالنے کے لئے مسلسل اور پے در پے جھوٹ بولے اور اس طرح تضاد پیدا ہوا۔ کہ ضمیمہ آئینہ کمالات اسلام ص ۳ پر پیش گوئی کی کہ پنڈت لیکھرام پر اللہ تعالیٰ کا خارق عادت عذاب نازل ہو گا اور جب اسے مرزا صاحب کے

اشارہ پر چھری سے قتل کر دیا گیا تو فوراً جھوٹ لکھ دیا کہ میں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ چھ برس کے اندر چھری سے مارا جائے گا (نزول المسیح ص ۱۷۵)

۴۔ چونکہ مرزا صاحب مراق، ہسٹیریا کے مریض تھے جو کہ دماغی امراض ہیں اس لئے بعض اوقات موصوف کی یہ حالت ہوتی تھی کہ

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

مرزا صاحب ایسی کیفیات میں وہ باتیں کر جاتے تھے جو کہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہوتی تھیں اور با متناقض بھی۔ مثلاً

(الف) حضور ﷺ کے ہاں ۱۲ لڑکیاں پیدا ہوئیں (ملفوظات ص ۲/۵۷ جلد ۲

(ب) آپ ﷺ کے گھر ۱۱ لڑکے پیدا ہوئے تھے جو کہ سب کے سب فوت ہو گئے تھے (تجلیات الہیہ ص ۳۰)

(ج) تمام انبیاء کرام فوت ہو چکے ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۴۳۱/۳۷۷

(د) مرزا صاحب بسا اوقات قصداً بقائمی ہوش و حواس بھی متضاد باتیں لکھ جاتے تھے تاکہ داشتہ آید بکار کے مطابق یہ متضاد موقف کام آسکیں اور ہر شخص کو اس کے نظریہ کے مطابق تحریر دکھا کر گمراہ کیا جا سکے۔ موجودہ قادیانیوں کا طریقۂ واردات بھی یہی ہے۔

جلال الدین شمس قادیانی روحانی خزائن جلد ۱۸ کے دیباچہ میں لکھتا ہے "ایک غلطی کا ازلہ...... یہ رسالہ اس لحاظ سے ایک اہم رسالہ ہے کہ اس رسالہ میں اصولی طور پر اس اختلاف کا حل پیش کیا گیا ہے جو بظاہر آپ کی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریروں اور ۱۹۰۱ء کے بعد کی تحریروں میں اپنی نبوت کے متعلق نظر آتا ہے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تالیفات میں آپ نے بکثرت اپنے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور ۱۹۰۱ء سے بعد کی تالیفات میں بکثرت اپنے نبی ہونے کا اقرار کیا ہے" (دیباچہ ص ۶)

اسی لئے لاہوری گروپ مرزا صاحب کی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی عبارات اور قادیانی گروہ ۱۹۰۱ء کے بعد کی ریرات پیش کرتا ہے اور دونوں جماعتوں کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

قادیانی اور لاہوری گروپ عبارات مرزا سے جدا جدا طرز استدلال اور مرزا صاحب کی عبارات کا گورکھ دھندا سمجھنے کے لئے مبحثۂ راولپنڈی جلال الدین شمس قادیانی کی بات اس لئے بھی غلط ہے کہ مرزا قادیانی ۱۹۰۱ء کے بعد بھی بہترین کتاب ہے۔ دعوی نبوت اور اس سے انکار دونوں برابر اپنی کتابوں میں لکھتا رہا ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لئے احمدیہ پاکٹ بک سے قادیانیوں کے عذر مع جوابات نقل کئے جاتے ہیں۔

قادیانی عذر نمبر ۱۔ حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نبی پہلے

ایک بات اپنی طرف سے کہے مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ اس کو بتا دے کہ یہ بات غلط ہے، درست اس طرح ہے تو دوسرا قول نبی کا نہیں خدا کا ہوگا لٰہذا تناقض نہ ہوگا تناقض کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی شخص کے اپنے دو اقوال میں ہو" (مصلحہ احمدیہ پاکٹ بک ص ۷۹۳ تا ۸۰۲)

جواب نمبر ۱۔ ہمیں مرزا صاحب کا نبی ہونا ہی تسلیم نہیں ہے اور اس کے ہمارے پاس بے شمار دلائل ہیں مثلاً

۱۔ نبی شاعر نہیں ہوتا جبکہ مرزا صاحب شاعر تھے اور اپنی شاعری کو اپنی صداقت کی دلیل بتایا کرتے تھے۔

۲۔ نبی کا کوئی استاد نہیں ہوتا (ایام الصلح ۱۵۳) جبکہ مرزا صاحب کے متعدد استاد تھے (کتاب البریہ ص ۱۴۸)

۳۔ نبی غیر محرم عورتوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتا جبکہ مرزا صاحب بانو نامی ایک ملازمہ سے ٹانگیں دبوایا کرتے تھے (سیرت المہدی ص، ج)

۴۔ نبی مصنف نہیں ہوتا جبکہ مرزا صاحب چوراسی کتابوں کے مصنف تھے۔

۵۔ نبی آزادی کا علمبردار ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کہا تھا ارسل معنا بنی اسرائیل (بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو)

جبکہ مرزا صاحب انگریزوں کے ثناخواں اور ان کا خود کاشتہ پودا تھے (تحفہ قیصریہ وغیرہ) (تبلیغ رسالت ۱۹/ج ۷)

جواب نمبر ۲۔ نبی کی وحی کی طرح نبی کے اپنے فرمودات میں بھی تضاد نہیں ہوتا۔ احمدیہ پاکٹ بک کے قادیانی مصنف کی یہ دیدہ دلیری اور شرمناک جسارت ہے بددیانتی اور بدزبانی ہے کہ اس نے سولہ آیات لکھ کر ان میں فرضی تضاد ثابت کیا اور کہا ہے اگر حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا قادیانی) کی عبارات میں تضاد ہے تو قرآن مجید۔ کی ان آیات میں بھی تضاد ہے لیکن چونکہ در حقیقت قرآن مجید میں کوئی تضاد نہیں لٰہذا مرزا قادیانی کی عبارات میں بھی کوئی تضاد نہیں۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہم نے اس رسالہ میں مرزا صاحب کے اپنے اقوال میں باحوالہ تضاد ثابت کیا ہے اور ان مقامات پر مرزا صاحب نے کوئی تصریح نہیں کی کہ میرا دوسرا قول وحی الٰہی کی وجہ سے بدلا گیا ہے۔ لٰہذا قادیانی عذر ناقابل قبول ہے۔

جواب نمبر ۳۔ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں معصوم ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے پلک جھپکنے کی مقدار بھی غلطی نہیں کرنے دیتا (نور الحق ۲/۷۲ ج ۲) اس لئے قادیانی یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا پہلا قول ان کی غلط فہمی کی وجہ سے تھا اور اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کر کے وہ غلطی دور کر دی؟

قادیانی عذر نمبر ۲۔ نبی کی وحی میں نسخ ہو سکتا ہے کہ پہلے اور حکم نازل ہوا بعد میں اور حکم آ گیا مرزا صاحب کی وحی میں بھی نسخ پایا جاتا ہے۔

(ایضاً بحوالہ مذکورہ)

جواب: احمدیہ پاکٹ بک کے مصنف کی یہ جہالت ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ نسخ اعتقادات اور اخبار

میں نہیں ہوا کرتا بلکہ احکام میں ہوتا ہے۔ اور مرزا صاحب کے تمام تر تضادات، اعتقادات و نظریات اور اخبار سے تعلق رکھتے ہیں۔ فقہی احکامات میں تضاد بیانی شاذونادر ہی ہے لہذا نسخ والی تاویل بھی باطل ہے۔

ایک وضاحت

قادیانیوں کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر کتاب کا جواب لکھتے ہیں چاہے جواب بنتا ہو یا نہ۔ جیسے مثل مشہور ہے کہ ایک تیلی نے جاٹ کو طعنہ دیا تھا کہ جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ اس نے کہا تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولہو۔ اس نے کہا کہ تیرا جواب بنا نہیں ہے جاٹ نے کہا میں نے جواب دے دیا ہے چاہے بنے یا نہ بنے۔ قادیانیوں کا معاملہ بھی کچھ ایسے ہی ہے۔ یہ لوگ ایسی رکیک تاویلات کرتے ہیں کہ ابلیس بھی شرما جائے۔ تاویلات کرنے والے قادیانی مبلغین اور ان کی تاویلات کے پھندے میں پھنسنے والے نادان دوستوں سے احقر کی ایک ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ

سحر کا ایک ہی مفہوم ہے، طلوع سحر
مجھے فریب نہ دیں روشنی کی تعبیریں

تضاد بیانی کے بارے میں مرزا قادیانی کے فتاویٰ

۱۔ پھر تناسخ کا قائل ہونا اسی شخص کا کام ہے جو پرلے درجے کا جاہل ہو جو اپنے کلاموں میں متناقض بیانوں کو جمع کرے اور اس پر اطلاع نہ رکھے۔ (ست بچن ص ۲۹ حاشیہ)

۲۔ صاف ظاہر ہے کہ کسی سچیار اور عقل مند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل اور مجنوں یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو اسکا کلام بے شک متناقض ہو جاتا ہے (ست بچن ص۲۶/۳۰)

۳۔ اور ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نکل نہیں سکتیں کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق (ست بچن ص ۳۱)

۴۔ اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس شخص کی حالت ہے جو ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے (حقیقۃ الوحی ص ۱۸۴)

آگے بڑھنے سے پہلے ان فتاوی کو ذہن نشین کرلیں اور تضادات پڑھنے کے دوران بار بار دہراتے رہیں بہت فائدہ ہوگا۔

تضادات مرزا قادیانی

اپنے ذاتی حالات اور دعووں کے متعلق تضادات

تصویر کا پہلا رخ	تصویر کا دوسرا رخ
۱۔ ہماری قوم مغل برلاس ہے (کتاب البریہ ص ۱۶۲)	۱۔ عرصہ سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے دادا فارسی الاصل ہیں (کتاب البریہ ۱۶۲/حاشیہ)
۲۔ میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی ہوں (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۲، روحانی خزائن ص ۲۱۶)	۲۔ اسی کشف کے مطابق میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب میں پہنچے ہیں (تحفہ گولڑویہ ص ۱۲۷ ومثلہ چشمہ معرفت ص ۳۳۱)
۳۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے (ایام الصلح ص ۱۶۸/۱۵۳، روحانی خزائن ص ۳۹۴)	۳۔ بچپن کے زمانے میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خوان معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جنکا نام فضل احمد تھا (کتاب البریہ ۱۴۸ تا ۱۵۰، ومثلہ سیرت المہدی ص ۲۳۳/ج ۱)
۴۔ میں انگریزی نہیں جانتا اس کوچہ سے بالکل ناواقف ہوں ایک فقرہ تک مجھے معلوم نہیں ہے (نزول المسیح ص ۱۴۰ روحانی خزائن ۵۱۶)	۴۔ مولوی الٰہی بخش صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر نے سیالکوٹ میں) منشیوں کے لئے ایک انگریزی مدرسہ قائم کیا ڈاکٹر امیر شاہ پنشنر معلم تھے، مرزا صاحب نے بھی انگریزی کی ایک دو کتابیں پڑھیں (محصلہ سیرت المہدی ۱۵۵/ج ۱)

۵- سیالکوٹ کی ملازمت ۱۸۶۴ سے ۱۸۶۸ تک رہی (مصلہ سیرت المہدی ص ۱۵۴ تا ۱۵۷/ج ۱)

۵- اور میں وہی شخص ہوں جو براہین احمدیہ کے زمانے میں تخمیناً سات آٹھ سال پہلے اسی شہر میں قریباً سات برس رہ چکا ہوں (لیکچر سیالکوٹ ص ۴۰، روحانی خزائن ص ۲۴۲)

ادنی چیزوں پر مقدمات کی مذمت

۶- ایک مرتبہ مجھے اپنے ایک زمیندار مقدمہ کے متعلق جو تحصیل بٹالہ میں دائر تھا خواب آئی کہ جھنڈا سنگھ نام ایک دخیل کار پر ہماری ڈگری ہو گئی اس دخیل کار پر بوجہ ایک درخت کیکر (ببول) جس کو اس نے اپنے کھیت سے ہماری اجازت کے بغیر کاٹ لیا تھا چودہ روپے کی نالش کر دی گئی۔ سو خواب میں دکھائی دیا کہ دعویٰ مسموع ہو کر ڈگری ہو گئی (تریاق القلوب ص ۲۰۶)

۶- حضرت اویس قرنی والدہ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے اوران کے اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے تھے۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے والدہ کی خدمت کر کے یہ قبولیت اور عزت پائی، ایک وہ ہیں جو ایک ایک پیسہ کے لئے مقدمات کرتے ہیں اور والدہ کا نام بری طرح لیتے ہیں۔ (ملفوظات احمدیہ ص ۳۴)

۷- میں نے جوابی طور پر بھی کسی کو گالی نہیں دی (مواہب الرحمن ص ۱۸، روحانی خزائن ص ۲۳۶)

۷- میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں (کتاب البریہ ص ۱۱)

۸- گالی دینا اور بدزبانی طریقِ شرافت نہیں (اربعین نمبر ۴، ضمیمہ نمبر ۵)
کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو (کشتی نوح ص ۱۱)

۸- مرزا نے اپنے مخالفین کو بے شمار گالیاں دیں بطور نمونہ چند گالیاں حسب ذیل ہیں (۱) دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (اردو ترجمہ نجم المہدیٰ ص ۵۳) (۲) یہ میری کتابیں ہیں جن کو ہر مسلمان دوستی اور محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے اور میری تصدیق کرتا ہے اوران کتابوں میں میں نے جو علوم لکھے ہیں ان سے نفع اٹھاتا ہے مگر کنجریوں کی اولاد نہیں مانتی (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۷)

۹- ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں

۹- براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے حیات

نہیں نکل سکتیں کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق (ست بچن ص ۱۳۱)

عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ بھی لکھا اور وہ الہامات بھی لکھے جن سے وہ بقول خود عیسیٰ علیہ السلام بنتے تھے۔ اسکا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا صاحب نے لکھا۔

"میں نے ان دونوں متناقض باتوں کو براہین میں جمع کر دیا (اعجاز احمدی ص ۸ روحانی خزائن ۱۱۴/۱۴ و مثلہ ایام الصلح ص ۴۳)

۱۰۔ ہمارے سید و مولیٰ افضل الانبیاء خیر الاصفیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقویٰ دیکھئے کہ وہ ان عورتوں کے ہاتھ سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے جو پاک دامن اور نیک بخت ہوتی تھیں بلکہ دور ہی بٹھا کر صرف تلقین و توبہ کرتے تھے (نورالقرآن نمبر ۲ ص ۴۷، روحانی خزائن ص ۴۴۹) و مثلہ سیرت لمھدی ص ۱۵ ج ۳)

۱۰۔ مرزا صاحب ایک بوڑھی ملازمہ مسماۃ بھانو سے بدن دبواتے تھے ملاحظہ فرمائیں سیرت المھدی ۲۱۰/ج ۳ اور غیر محرم عورتیں مرزا کی پہرہ داری کا کام بھی کرتی تھیں (سیرت المھدی ص ۲۷۳/ج ۳)

حضور کو مرحومہ (عائشہ) کی خدمت حضور کے پاؤں دبانے کی بہت پسند تھی۔ حضور نے ایک دفعہ مرحومہ کو دعا دے کر فرمایا اللہ تجھے اولاد دے۔ حضور کی دعا سے مرحومہ کے چھ بچے ہوئے ایک لڑکی اور پانچ لڑکے (الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۸ء)

۱۱۔ جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں ہے۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۸۴، حاشیہ ص ۱۹ حاشیہ

جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا (چشمہ معرفت ص ۲۲۲/۲۳۱)

مثلہ، اربعین نمبر ۳، ص ۲۴ حاشیہ، ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۹) جھوٹ بولنا اور گوہ کھانا ایک جیسا ہے (حقیقت الوحی ص ۲۰۶۔)

۱۱۔ ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی پیشگوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا اور اس کو کافر قرار دیں گے (اربعین نمبر ۳، ص ۲۵، روحانی خزائن ص ۴۰۴)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور انجیل اور دانی ایل اور دوسرے نبیوں کی کتابوں میں بھی جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے وہاں میری نسبت نبی کا لفظ بولا گیا ہے۔ (اربعین نمبر ۳، ص ۱۷)

حالانکہ یہ دونوں جھوٹ ہیں ایسی کوئی حدیث نہیں اور مرزا کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ہے۔

تحریر: جناب بشیر احمد ایم اے فلیچر اسکول آف لاء اینڈ ڈپلومیسی
ترجمہ: ڈاکٹر سبطین لکھنوی

تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

قسط دوم

تحقیقاتی عدالت کا قیام

پنجاب میں ہل چل مچ جانے کے بعد انکوائری کے لئے ایک تحقیقاتی عدالت قائم کر دی گئی۔ جسٹس مسٹر محمد رستم کیانی کی معیت میں جسٹس منیر نے اپنی معروف رپورٹ تیار کی۔ ۱۳ جنوری ۱۹۵۳ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۵۳ء تک مرزا محمود قادیانی نے اپنا ایک حلفیہ بیان ریکارڈ کرایا۔ (امام جماعت احمدیہ کا تحقیقاتی عدالت میں بیان مطبوعہ سعید آرٹ پریس حیدر آباد سندھ)

دو جولائی ۱۹۵۳ء کو صدر انجمن احمدیہ نے اپنا ایک تحریری بیان پیش کیا۔ مذکورہ عدالتی بیان میں مذہبی اور یاسی معاملات پر قادیانی نقطہ نظر کی توضیح و تشریح کی گئی تھی۔ عدالت عالیہ نے "قادیانی مسلم نزاع" کے اہم ختلافات پر مبنی سات سوالات بھی مرتب کئے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ (قادیانیہ) ربوہ نے عدالت عالیہ کے اس حکم کے پیش نظر ۲۸ اگست ۱۹۵۳ء کو اپنے جوابات عدالت کے نام بھیج دیئے (کتاب تحقیقاتی عدالت کے ساتھ سوالوں کے جوابات شائع کردہ دار التجلید ربوہ)

مرزا محمود احمد قادیانی نے عدالت عالیہ کو فریب دینے کے لئے دغا بازی اور حیلہ جوئی کے پردے میں قادیانی مذہب کے حقیقی عقائد پر پردہ ڈالنے اور انہیں چھپانے کی عیارانہ اور شرمناک کوشش کی۔ مرزا محمود قادیانی ۱۹۱۴ء سے قادیانی جماعت کا سربراہ بنتے ہی غیر مبہم الفاظ میں اور انتہائی وثوق کے ساتھ یہ کہتا رہا کہ (اس کا باپ) مرزا غلام احمد قادیانی (عیاذاً باللہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء کرام اللہ علیہم اجمعین کی طرح ایک حقیقی نبی تھا۔ غیر احمدی (یعنی مرزا قادیانی پر ایمان نہ لانے والے) کافر اور (معاذ اللہ) دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ایک احمدی (قادیانی) دیگر مسلمانوں کے ساتھ نہ تو روزمرہ کی (پنج وقتہ) نماز میں شریک ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ قرآن میں "احمد" کا جو نام آیا ہے۔ اس مراد (معاذ اللہ) مرزا غلام احمد قادیانی ہے (ملاحظہ ہوں مرزا محمود کی تصانیف "حقیقت اختلاف" برکات خلافت" آئینہ صداقت" اور حقیقت نبوت وغیرہ) لیکن مرزا محمود قادیانی نے تحقیقاتی عدالت میں جج حضرات کو دھوکہ دینے کی خاطر ایک مصلحت ساز، انداز بیان کو اختیار کیا۔ وہ اپنے عدالتی بیان میں اس حد تک جھک گیا۔ اور اس نے ایک ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی جو قادیانی جماعت کے لاہوری گروپ نے اپنے عقائد میں شامل کر رکھی ہے۔ (مولانا مودودی کا عدالت میں دوسرا بیان صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۳۱ مطبوعہ جماعت اسلامی پاکستان طباعت ۱۹۵۴ء)

قادیانی جماعت کے کسی بھی فرد کو یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ قادیانی مذہب کے اصل عقائد کو فوری طور پر تبدیل کر دینے والے اس بددیانت مصلح موعود کے اس متضاد چہرے کا نوٹس لیتا۔ قصہ مختصر ایک غلط نقطہ نظر کو

بیان کر کے مرزا محمود قادیانی نے اپنی لاف زنی کی وجہ سے خود اپنے ہی پیروکاروں میں آزردگی اور جھنجھلاہٹ پیدا کر دی اس کے برعکس اپنے مخالفین لاہوری قادیانیوں کے لئے تبصروں خوشی اور مسرت کی ایک رو مہیا کر دی۔ (کتاب دی گریٹ مشنری آف اسلام از این اے فاروقی۔ محمد علی لاہوری قادیانی صفحہ ۸۸)

تحریک ختم نبوت کے بارے میں منیر رپورٹ

(تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی ہل چل میں قادیانی کہاں تک ذمہ دار ہیں؟ اس بارے میں منیر رپورٹ کا بیان ہے کہ قیام پاکستان سے نصف صدی قبل عام مسلمانوں کے ساتھ قادیانی اختلافات نمودار ہو چکے تھے۔ قادیانیت کے پیروکار کسی دوسرے دین کو قبول کر لینے کا بلا جھجھک اور بغیر کسی روک ٹوک کے پراپگینڈہ کر رہے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد، نہ رنگ و روپ کے لحاظ سے یہاں کا ماحول تبدیل ہو چکا تھا۔ قادیانی عام مسلمانوں کو بے وقوف بنا رہے تھے۔ عوامی مذہبی تبلیغ کے ان قیود کے بالکل برعکس اسلام اپنے فرقوں کو جن اصولوں کی تبلیغ کی اجازت دیتا ہے۔ اس تبلیغی وضاحت میں قادیانی پالیسی بالکل غیر حاضر تھی۔ ان قادیانیوں نے یہ سوچنے تک کی زحمت کبھی گوارہ نہ کی کہ قادیانیت کی ان حرکات و سکنات کا مسلم عوام برا منائیں گے اور اس نئی ریاست پاکستان میں قادیانی حرکات و سکنات کا کوئی نوٹس بھی لیا جائے گا۔ بدلتے ہوئے حالات بھی قادیانیت کی جارحانہ تبلیغی سرگرمیوں میں کوئی تغیر اور کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔ قادیانیوں کی طرف سے غیر احمدی (مسلمانوں) پر جارحانہ حملے جاری رہے۔ اگرچہ احمدی (قادیانی) براہ راست ان ہنگاموں کے ذمہ دار نہیں ہیں لیکن خود اپنے خلاف ایجی ٹیشن کی تیار کرنے میں قادیانی حضرات اپنی کارروائیوں کو آراستہ و پیراستہ کرتے رہے ہیں۔ اگر قادیانیوں کے خلاف عوامی احساسات اس قدر شدید نہ ہوتے تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مختلف العناصر تنظیموں کے اتنے بڑے جم غفیر کو احراری حضرات جمع کر لینے میں کوئی کامیابی حاصل کر سکتے ہوں (منیر رپورٹ صفحہ ۸۰)

چند ایک شکوک و شبہات کو بنیاد بناتے ہوئے تمہیدی طرز پر رپورٹ کی مراد یہ تھی کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنا دینے کی اجازت دے دی گئی تو اس کے سارے غیر مسلم جبر اور ایذا رسانی کا خود بہ خود ہی نشانہ بن کر رہ جائیں گے۔ مختلف مسلمان فرقے کبھی ختم نہ ہونے والے جھگڑوں اور باہمی حجت و تکرار یا تو تو میں میں کی بنا پر خود اپنے ہی ساتھیوں کا قتل عام شروع کر دیں گے۔ متروک اور از کار رفتہ قوانین نافذ ہوں گے۔ چونکہ پاکستان کا کلچر پسماندہ ہوگا اور اس کے حکمران قدامت پسند، اس تضاد کی وجہ سے مہذب دنیا اور پاکستان کے درمیان ایک چپقلش پیدا ہو جائے گی اس لیئے عالمی برادری رجعت پسند حکومت پاکستان کو اپنی برادری سے خارج کر دے گی۔ مغرب کے مستشرقین اور مسیحی مشنریوں نے بھی "اسلام" پر اس قدر درشت حملے نہیں کئے تھے جتنی بد مزاجی اور درشتی منیر رپورٹ میں دستیاب تھی۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ منیر رپورٹ کا مصنف مسلمان تھا۔ سب سے بڑا ستم تو یہ ہے کہ اس بد مزاجی اور درشتی نے رپورٹ کے نقصان پہنچانے والے اثرات میں اضافہ کیا (کتاب MAUDOODI WHOIS) تصنیف مریم جمیلہ صفحہ ۱۵)

پاکستان میں منیر رپورٹ پر شدت سے تنقید کی گئی اور کہا گیا کہ یہ رپورٹ ناقص، بدظن کر دینے والی اور ناجائز طرفداری پر مبنی ہے۔ لادین اشتراکی اور صیہونی طبقے نے اسلامی ریاست کے خلاف ایک غلیظ اور گالی بکنے والے

پراپیگنڈے میں منیر رپورٹ کو استعمال کیا۔ غیر مسلم لکھاریوں نے نظریہ پاکستان اور بھارتی مسلمانوں کی قابل رحم حالت پر تنقید کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں منیر رپورٹ کے بھرپور حوالے پیش کئے۔
(اسلام ان انڈیا" تصنیف ڈاکٹر کرن ویکر صفحہ ۲۸۴ تا صفحہ ۲۸۷ مطبوعہ الیگرن پبلشرز ان انڈیا)
معروف یہودی دانشور اور اسکالر، پروفیسر پی۔ کے۔ ھیٹی نے جسٹس منیر کو ایک ذاتی خط لکھا۔ پھر ایک ملاقات میں اس یہودی دانشور نے منیر سے کہا" میں پاکستان سے بالکل اس قسم کی توقعات رکھتا تھا۔ آنجہانی شاہ ایران نے جسٹس منیر سے اس رپورٹ کے معانی و مطالب پر اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا کیونکہ ایران کی گزشتہ تاریخ میں "باب" بہاء اللہ" اور " بابی مذھب" کی ایک حسین و جمیل ایرانی شاعرہ قراۃ العین طاہرہ کے قتل کے واقعات پاکستان کی اس تحریک (ختم نبوت) سے ملتے جلتے تھے۔ جسٹس منیر کہتے ہیں کہ ایک صحافی نے منیر رپورٹ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا" میں اپنی پوری زندگی میں صرف دو ہی کتابوں کا از اول تا آخر مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ہے "لیڈی چیٹرلی کا عاشق (S LOVER LADY CHATTERLY) اور دوسری کتاب کو منیر رپورٹ کہتے ہیں۔ (کتاب FROMJINNAHTO IA از ریٹائرڈ جسٹس محمد منیر صفحہ ۴۳)
اس لاجواب موازنے کے کیا کہنے؟ کیا لاجواب موازنہ ہے؟ جسٹس منیر کی اس تلخ تنقید کا جماعت اسلامی نے بڑا موزوں جواب دیا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب (آئیڈیالوجی آف پاکستان مطبوعہ ۱۹۹۱) میں جسٹس منیر کے اس خاص طرز بیان اور اس کے خود ساختہ نظریہ پاکستان کو ناجائز قرار دیتے ہوئے انتہائی زور دار، دلائل پیش کیے
(کتاب دی آئیڈیالوجی آف پاکستان صفحہ ۷۱ از ڈاکٹر جاوید اقبال)

عواقب اور نتائج

۵۳۔ ۱۹۵۲ء کے وہ لمحات جنہوں نے پورے ملک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کے نتائج کیا تھے؟ اور ان سے کیا چیز آشکارا ہوئی؟ اس تحریک کا معاشرتی پہلو یہ ظاہر ہوا کہ پاکستان کے چند بڑے اور متوسط طبقے کے افراد پر، جو برطانیہ بہادر کے پرانے بندھنوں کی بجائے امریکہ بہادر کے ساتھ تعلقات رکھنے پر مائل ہو گئے تھے۔ اس تحریک نے اس طبقے پر شعلہ زا، اور برہم کر دینے کا عکس ڈالا۔ امریکہ نے بھی برطانیہ کے حامی عنصر کو حکومت سے نکال باہر کر دینے کی جدوجہد جاری کر دی۔ پرو برٹش عنصر کی جگہ امریکہ بہادر خود اپنے فرماں بردار سیاست دانوں کو ان کا قائم مقام بنانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ خواجہ ناظم الدین نے قومی اسمبلی میں انکشاف کیا کہ یہ تحریک پولیٹیکل پاور کو برانگیختہ کرنے کی ایک سیاسی تحریک ہے۔ (کتاب اے ہسٹری آف پاکستان تصنیف Y U-GANKOVSKY۔ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور بھارت کا آزمودہ کار صحافی جمنا داس اختر لکھتا ہے کہ احمدیوں (قادیانیوں) پر کھلم کھلا برطانوی امپیریلزم کی دلچسپیوں کو آگے بڑھانے کا الزام عائد کیا جا رہا تھا۔ اور یہ بھی کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے برعکس الحاد اور کفریہ عقائد کو پھیلا رہے ہیں۔ ظن غالب یہ ہے کہ اس کھیل میں امریکہ بہادر کی دلچسپیاں ایک مستقل رول ادا کر رہی تھیں۔ کیونکہ ان دنوں امریکہ بہادر برطانوی حکومت کی حمایت کرنے والوں کو اقتدار سے نکال دینے اور ان کی جگہ پرو برٹش عناصر سے کہیں زیادہ دلکش سیاست دانوں کو،

پاکستان میں ان کا جانشین مقرر کرنا چاہتا تھا۔ (ساگا آف بنگلہ دیش از جمنا داش اختر صفحہ ۲۸۱ ۱۹۵۲ء کی تحریک نے قادیانیوں کی ایک مضبوط پوزیشن بنادی۔ قادیانی عقائد کے پیرو کاروں نے ثابت کر دیا کہ قادیانی جماعت ایک ناقابل تسخیر جماعت ہے۔ قادیانی اس زعم میں مبتلا ہوگئے کہ انیتٹی قادیانی تحریک نے مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی (عیاذاً باللہ) پیغمبرانہ وحی کو پورا کر کے دکھا دیا ہے۔ جلال الدین شمس قادیانی (قادیانی جماعت کے ایک سابق مبلغ) نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ بنو اسرائیل اس کلام کا جس کلام میں قادیانی یہودی ایک جھتی دستیاب ہے اگر بہ غور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جب فرعون ہامان اور اس کی افواج بنو اسرائیل کو تباہ کر دینے پر تل چکی تھیں۔ اس وقت خداوند نے بنو اسرائیل کو تباہی سے بچالیا تھا۔ بعینہ یہی حالات تھے جب ایک اچھے خاصے منصوبے کے تحت جماعت احمدیہ قادیانی) کو تباہ و برباد کر دینے پر تل چکی تھیں۔ جدوجہد جاری تھی اور اس قادیانی بربادی کے لئے چھ مارچ کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی تھی تو قادیانیوں کو بچانے کی خاطر خداوند نے اچانک اپنی افواج بھیج دیں۔ خلاف توقع کراچی سے بذریعہ فون ایک پیغام لاہور پہنچا۔ مارشل لاء نافذ کر دیا گیا فوج نے انتہائی جرات اور کمال ہوشیاری کے ساتھ مردانہ وار، لاقانونیت کی طاقتوں کو کچل کر رکھ دیا۔ جیسا کہ خداوند نے مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے ساتھ وعدہ کیا تھا جماعت احمدیہ (قادیانیت) بنو اسرائیل کی طرح اپنی ارواح واجسام کی تباہی سے محفوظ کر دی گئی تھی۔

(موعود کی پیش گوئیاں از جلال الدین شمس قادیان صفحہ ۴۸ نیز میرزا غلام احمد قادیانی کی پیش گوئیوں کے بارے میں ملاحظہ ہو کتاب تذکرہ انگریزی ایڈیشن صفحہ ۳۰۵) ۲۶ جون ۱۹۵۳ء کو کراچی کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے جناح عوامی لیگ کے رہنما سید حسین شہید سروردی مرحوم نے تحریک ختم نبوت پر اپنے ریمارک دیتے ہوئے کہا۔ "پنجاب میں ایک مذہبی تحریک اٹھی جسے طاقت اور دھونس سے دبا دیا گیا۔ علماء دین آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیئے گئے۔ آج انہی طاقتوں کے ذریعہ انکشاف کیا جارہا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہم مسلمانوں کو ان منکرین ختم نبوت کو مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ مل جانا چاہیئے۔ بصورت دیگر ہمیں دوسروں کی طرح عقوبت بھگتنا ہوگی" (ماہنامہ ریویو آف ریلیجیز ربوہ اگست ۱۹۵۳ء) سید حسین شہید سہروردی کی اس تقریر پر خطرے کی تازہ گھنٹی کا عنوان جماتے ہوئے میرزا محمود قادیانی نے اپنی جمعہ کی تقریر میں کہا

"لیکن احمدی (قادیانی) کمیونٹی کو بلکہ حکومت پاکستان کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ حکومت نے احمدی (قادیانی) دشمن طبقے کو اپنی احمدی (قادیانی) رعیت بچالینے اور انہیں انصاف دلانے کی خاطر، اپنے حملے کا نشانہ بنایا۔ حکومت کا گناہ بس اتنا ہی ہے کہ وہ ملک میں امن قائم رکھنا چاہتی ہے۔ احمدیوں (قادیانیوں) کے ان تخریب کار دشمن عناصر کو جو قادیانیوں کے خلاف عوام کو برانگیختہ کر کے حکومت کا گھیراؤ کرنا چاہتے تھے۔ حکومت انہیں کچل دینا چاہتی تھی۔ خدا تعالیٰ مصائب کے ان سوداگروں کے فتنوں اور ان بیوپاریوں کی بری نیت سے اپنے بندوں کو محفوظ رکھے گا۔ فسادیوں کے ان ضرر رساں عزائم کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دے گا (ایضاً صفحہ ایضاً) آنے والے انتخابات میں مسلم لیگ کو آندھی کی طرح اڑا کر لے جانے اور لیگی غرور کو پاش پاش کر دینے اور کچل کر رکھ دینے والی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دولتانہ وزارت کی پنجاب میں معزولی ملک غلام محمد، گورنر جنرل ایوب خان کمانڈر انچیف اور

مسٹر سکندر میرزا سکرٹری دفاع کی مضبوط تگڈمم کے سامنے خواجہ ناظم الدین کے بے یارو مددگار، بے بسی، خواجہ صاحب کی جگہ نئے وزیر اعظم کی تقرری ان حالات کو دیکھ دیکھ کر عوام کے اذہان فوج کے امیج سے مضمحل ہو چکے تھے۔ دسویں انفینٹری فوج کے سی۔ او۔ سی میجر جنرل اعظم خان نے بلا کسی امتیاز کے پرامن ہجوم خلق پر باڑھ مار دینے تک کے سارے جارحانہ اور تشدد آمیز پیمانے استعمال کر ڈالے۔ اقتدار کی پرستش یعنی چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والی ذہنیت نے ملک میں اپنی گہری جڑیں قائم کر لی تھیں۔ تحریک ختم نبوت کو کچل کر رکھ دینے کے پس پردہ یہی عناصر کار فرما تھے۔ بیورو کریسی اور انتظامیہ نے "ربوہ" کے ساتھ ایکا کر لیا تھا۔ قادیانی جماعت کی دیگر مسلح تنظیموں کے علاوہ خدام الاحمدیہ قادیانی تنظیم کو یہ جرات دلادی گئی تھی کہ جہاں "لاء اینڈ آرڈر" کی صورت حال متقاضی ہو۔ مذکورہ قادیانی تنظیمیں وہاں پہنچ جائیں اور اپنا "رول" ادا کریں۔ قادیانی مسلح تنظیموں کی حد سے بڑھتی ہوئی ناجائز حمایت کو یہ ہمت افزائی تقویت پہنچا رہی تھی۔ قادیانیت ۱۹۵۳ء کے بعد سے ملک کی تجارت، بیورو کریسی اور افواج پاکستان کے اندر کلیدی مناصب حاصل کر لینے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اینٹی قادیانی تحریک نے ناظم الدین کی جگہ چودھری ظفر اللہ خان قادیانی کی بہ حیثیت وزیر اعظم بن جانے کے کامیابی کے حقیقی امکانات کا صفایا کر کے رکھ دیا تھا۔ بعد کے سالوں میں قادیانیوں نے اپنی سیاسی سٹریٹجی کے طریق کار میں تبدیلی پیدا کر لی اور مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا اختلافات سے پرہیز کرنے لگے۔ بیورو کریسی اور افواج پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط بنانے کی جدوجہد کو جاری رکھا۔

بوگرہ حکومت کی آمد

گورنر جنرل غلام محمد کے ہاتھوں اپریل ۱۹۵۳ء میں خواجہ ناظم الدین کی معزولی ایک غیر جمہوری فیصلہ تھا اور افسوس ناک حد تک طاقت کا استعمال بھی۔ ناظم الدین ابھی تک قومی اسمبلی میں اکثریتی لیڈر تھے۔ (کتاب انڈیا اینڈ پاکستان پولیٹیکل اینی لائزز، تصنیف بکھ شنکر صفحہ ۷۶ مطبوعہ لاہور سن طباعت ۱۹۷۵ء سر ظفر اللہ خان قادیانی لکھتے ہیں۔

"گورنر جنرل وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کے تذبذب اور ان کے شش و پنج میں ابتلا کو بری طرح محسوس کر رہے تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ ملک جس نازک صورت حال سے گزر رہا ہے۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے میں وزیر اعظم کا ناکام ہو چکے ہیں۔ خواجہ ناظم الدین سے استعفیٰ دینے کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اسی انکار کی بناء پر گورنر جنرل نے پوری کابینہ ہی برخواست کر دیا۔ مشرقی پاکستان کے محمد علی بوگرہ جو ان دنوں واشنگٹن میں سفیر تھے۔ گورنر جنرل نے ان سے کہا کہ وہ حکومت تشکیل دینے کی خاطر فوری طور پر کراچی پہنچ جائیں۔ محمد علی بوگرہ نے بلاتاخیر پیش قدمی دکھائی اور اپنی حکومت کے رفقاء کار کی فہرست گورنر جنرل کے سامنے پیش کر دی۔ حکومت کی نئی کابینہ نے رات کو آٹھ بجے حلف اٹھا لیا۔ واضح رہے کہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت شام کے چار بجے برخواست کر دی گئی تھی۔

(کتاب THE AGONY OF PAKISTAN تصنیف چودھری ظفر اللہ خان صفحہ ۱۰۷ نیز ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب) THE SERVANT OF GOD صفحہ ۲۰۰ تا صفحہ ۲۰۳) ظفر اللہ خان قادیانی اسی نئی وزارت کی کابینہ

میں بہ حیثیت وزیر خارجہ برقرار تھے۔ پاکستان کی اس نازک صورت حال کو قادیانیت کے روایتی انداز میں ایک بہت بڑے قادیانی خلیفہ ربوہ میرزا محمود قادیانی کی الہامی پیش گوئی کے تحت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں یہ پیش گوئی اردو زبان میں کچھ یوں ہے۔

''میں سندھ سے پنجاب تک ہر دو اطراف سے متوازی نشانیاں دکھاؤں گا۔ قادیانی مولف اس پیش گوئی کی تشریح میں لکھتا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے بعد مغربی پنجاب وزارت کی معزولی، گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی پر خط تنسیخ پھیر دینے نے اس پیشگوئی کو حیرت انگیز اور معجزانہ حد تک سچا ثابت کر دیا ہے۔ (کتاب المبشرات از میرزا محمود قادیانی صفحہ ۹۳) خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمٰی سے معزولی دراصل پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کی ابتدا تھی۔ بعد کے پانچ سالوں میں ایمرجنسی کا نفاذ اور ملک میں پارلیمانی طرز حکومت کا انکار مذکورہ سیاسی عدم استحکام کا ڈراپ سین تھا۔ سیاسی قانون اور نفسیاتی لحاظ سے اس تضاد کا عمل ناقابل رسا تھا اور پارلیمانی طرز عمل کا تضاد بھی بہ حیثیت وزیر اعظم بوگرہ مرحوم کے تقرر نے سیاسی مشاہدہ کرنے والوں بلکہ خود پاکستان عوام کو چونکا کر رکھ دیا تھا۔ یہ شکوک و شبہات دور دور تک پھیل چکے تھے۔ کہ ورشنگٹن سے بوگرہ صاحب کا کراچی میں تبادلہ اور وہ بھی رخصت کی بلندیوں کو چھونے کے منصب تک؟ یہ تبادلہ امریکہ اور پاکستان کے مابین قریبی رشتے کی تمہید ہے (کتاب پاکستان از ڈی پی سنگھال صفحہ ۸۵) پاکستان میں نئے وزیر اعظم کی نامزدگی کے بعد، سینکڑوں ہزاروں ٹن گندم کے جہاز پاکستان میں بھیجنے کے لیئے صدر آئزن ہاور نے اپنی کانگرس سے استفسار کیا نمبرا یہ وہ دور تھا جب امریکہ بہادر روس کے خلاف ایک زبردست طاقتور مہم پالیسی کا بندوبست کر رہا تھا اور براعظم ایشیاء میں اسے دوستوں کی تلاش تھی پاکستان امریکہ کے ساتھ دفاعی معاہدے میں شامل ہو گیا تھا۔ مسٹر ڈلز اور مسٹر اسٹیسن (SEASSON) کی کراچی یاترا کے بعد، امریکہ کی طرف سے انفرادی پوزیشن رکھنے والا جو مہمان پاکستان کے اس وقت کے دارالحکومت کراچی میں وارد ہوا۔ وہ امریکی مشن کی طرف سے ترکی میں متعینہ ڈپٹی چیف تھا بعد ازاں بغیر کسی اعلان کے امریکن آرمڈ سروسز کمیٹی کا سات رکنی وفد بھی آن پہنچا۔ ایوب خان مرحوم ستمبر ۱۹۵۳ء میں علاج معالجے کی غرض سے واشنگٹن کی طرف پرواز کر گئے لیکن ان کی ملاقات صدر آئزن ہاور سے بھی ہو گئی۔ پاکستان نے اشارہ دیا کہ امریکہ اگر پاکستان کو مسلح کر دے تو وہ واشنگٹن کو اپنی بنیادیں استعمال کرنے کی اجازت دے دیگا۔ نیز اس کی جدید تعمیرات کے لیئے اجازت کا بھی امکان ہے۔ پاکستان مشرق اوسط کی دفاعی کوششوں میں شامل ہونے کا بھی خواہشمند ہے۔

حاشیہ شروع

نمبرا امریکہ کی طرف سے موعودہ غذائی امداد، فی الواقع پاکستان میں اس وقت پہنچنا شروع ہوئی۔ جس سال فصل کی کٹائی اپنے عروج پر تھی ملاحظہ ہو کتاب THEUNSTABLESTATE تصنیف حسن گردیزی۔ جمیل رشید صفحہ ۸۵ مطبوعہ BOOKSTALLLAHORE۔VANGUARD۔

جدید اسٹریجی

تحریک ختم نبوت کے بعد، قادیانیوں نے پاکستان کی سیاست میں جو عملی رول ادا کیئے وہ یہ تھے۔

۱- مرکز کے چند سر کردہ سول اور ملٹری افراد کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھالیئے- ۲- اپنے مذہب کے سیاسی اور اقتصادی مفادات کو تحفظ دینے کی خاطر مذکورہ سرکردہ افراد کو قادیانیوں نے ہدایات جاری کیں کہ یہ بالادست افراد، ملکی دستور سازی کی کارروائیوں کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کریں ملک جن نازک حالات سے دوچار تھا اس کا سیاسی توازن مسلم لیگ کے خلاف جارہا تھا- اے- کے- فضل الحق اور حسین شہید سہروردی کی قیادت میں طیار کردہ "جگتو فرنٹ" نے مسلم لیگی کو تہس نہس کر دینے والی شکست سے دوچار کیا- "جگتو فرنٹ" کی صوبائی حکومت نے اے- کے فضل الحق کی راہنمائی میں کراچی کی مرکزی فرماں روائی سے آزادی حاصل کرلینے کی کوشش شروع کر دی- مئی ۱۹۵۴ء میں مشرقی بنگال (موجودہ بنگلہ دیش) کی حکومت کو مرکز کی طرف سے بطور گورنر جنرل سکندر میرزا کے حوالے کر دیا گیا- جو ان دنوں وزارت دفاع کے سکریٹری تھے پاکستان کی مرکزی حکومت نے مشرقی بنگال میں مداخلت کرنے کا بعینہ وہی انداز اپنایا- جس کا نمونہ اس سے پہلے صوبہ پنجاب میں اختیار کیا جاچکا تھا- فرق بس اتنا ہی تھا کہ لیگی سیاست دان پنجاب کے اندر بڑھتے ہوئے مذہبی ہیجان پر قابو نہیں پاسکے تھے تو اسے مٹا دیا گیا اور مشرقی پاکستان کے صوبائی انتخابات میں جگتو فرنٹ کے وہ سیاست دان جنہوں نے مختلف النسل خصوصیات کے مالک عوامی اتحاد کو یکجا کر دیا تھا اور صوبائی انتخابات میں جذبات سے بے قابو کامیابی حاصل کرلی تھی- بنگال کے اس "عوامی اتحاد" کی حکومت کو بھی مرکزی حکومت نے معزول کر دیا تھا ان دونوں حالات میں فوجی مداخلت موجود تھی- یہ بجز اس کے کہ پنجاب کو مارشل لاء کے حوالے کر دیا گیا تھا- اور مشرقی بنگال کی سول انتظامیہ امور دفاع کے ایک سرکاری ملازم کے چارج میں دے دی گئی تھی (کتاب پالٹکس ان پاکستان صفحہ ۴۱۰ از خالد بی سید مطبوعہ پریگر پبلشرز امریکہ ۱۹۸۰ء) بوگرہ صاحب کے دور کی دستور ساز اسمبلی نے سابقہ بنیادی اصول کمیٹی کے طیار کردہ دستور پر بیس اور گیارہ ووٹوں کے تناسب سے خط تنسیخ پھیر دیا- بوگرہ صاحب کا اعلان تھا کہ دستور ساز اسمبلی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء تک اپنے زیر بحث دستوری مسودے کو مکمل کر لے گی- ۲- قائد اعظم کے یوم پیدائش پر نئے دستور کی منظوری دے دی جائے گی- نمبر۳ یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو پاکستان ایک جمہوری ملک بن جائے گا- بعد ازاں ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۴ء تک کے لیئے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا- وزیر اعظم بوگرہ اور جنرل ایوب خان امریکہ کے ساتھ طویل عرصے کے اقتصادی اور دفاعی معاہدے طے کرلینے کے بعد اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخری ہفتے میں جب واشنگٹن سے وطن واپس پہنچے تو گورنر جنرل نے وزیر اعظم اور دستور ساز اسمبلی دونوں کو معزول کر دیا- یہ ایک شدید سخت اقدام اور غیر جمہوری فعل تھا- محمد علی بوگرہ کی سربراہی میں ایک نئی کابینہ تشکیل دی گئی جس کے نو ۹ ارکان میں سے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان، ڈاکٹر خان صاحب، سید حسین شہید سہروردی، اور میجر جنرل سکندر میرزا بھی شامل تھے-

کابینہ کے ان نو۹ ارکان میں سے کسی ایک کو بھی معزول کردہ اسمبلی کی رکنیت حاصل نہیں تھی- فوج کو جسے پاکستان کی سیاست میں ایک طاقت حاصل تھی بلکہ بڑی طاقت اسی کے ہاتھ میں تھی انتظامیہ اور سول سروس کے قریب ترلا کر کھڑا کر دیا گیا تھا- (مسٹر سنگھا کی کتاب پاکستان صفحہ ۲۶)

ماضی

اس فضاء میں ہیں رقصاں شرارے وہی — آسماں ہے وہی اور ستارے وہی
موجِ طوفاں وہی ہے کنارے وہی — ڈوبتی زندگی کے سہارے وہی
سارا عالم وہی سب نظارے وہی

ابنِ آدم بدستور مقہور ہے — اور شیطاں بدستور مغرور ہے
خیر ابھی شر کے پردوں میں مستور ہے — ظلم ابھی نشۂ حکم میں چور ہے
یاس و حسرت ابھی اپنا مقدور ہے

جام و بادہ وہی مے خوری بھی وہی — ہے فسوں بھی وہی ساحری بھی وہی
ہے تعبّد بھی آقا گری بھی وہی — حاکمیت وہی افسری بھی وہی
خود سری سرکشی برتری بھی وہی

تیرہ چہرے وہی ان کے غازے وہی — مردہ اعمال ان کے جنازے وہی

حال

دیکھو شاید نیا ایک دور آگیا — یہ انوکھا غلامی کا طور آگیا
کھیلنے کو کوئی کھیل اور آگیا — پھر لباسِ ترحم میں جور آگیا
اب سمجھ لو باندازِ غور آگیا

شورِ تسبیح اٹھنے لگا دمبدم — ذوقِ طاعت بڑھا سر ہیں سجدہ میں خم
خوفِ حق سے لگی رہنے آنکھوں میں نم — اور بڑے پارسا بن گئے اب تو ہم
خوب ظاہر ہوا فرقِ تریاق و سم

یہ نفاق و تصنع ریاء الاماں — پھر خدا سے یہ مکر و دغا الاماں
یہ قساوت شقاوت جفاء للاماں — سرقہ رشوت قمار و ربوا الاماں
اُف یہ مے خوارئ وہم زنئ الاماں

پھر بھی دعویٰ کہ ہم اھلِ کردار ہیں والئے کل حکومت کے مختار ہیں
بس قیادت کے ہم ہی سزاوار ہیں جو بھی تنقید کرتے ہیں اشرار ہیں
واہ کیا خوب قسمت کے شہکار ہیں

ہو مسلمان بھی، حق کا باغی بھی ہو پھر نظامِ تزندق پہ راضی بھی ہو
اور تقدیر کا خود ہی شاکی بھی ہو قوم کا مقتدیٰ اور ہادی بھی ہو
یعنی خلد و سقر سب کا والی بھی ہو

اب تو ابلیس مشکل کشا ہو گیا عاجزی کا تصور ہواء ہو گیا
بندگی آشنا کبریاء ہو گیا یعنی ذرہ جہنم نما ہو گیا
خوب حقِ خلافت اداء ہو گیا

کفر و اضلال نے روپ دھارے نئے شعبدے بھی نئے عقل مارے نئے

مستقبل

ایک روشن سویرا ابھرنے لگا روئے آفاق سے زنگ اترنے لگا
اور گیسوئے فطرت سنورنے لگا نورِ ایقاں سے عالم نکھرنے لگا
ڈوبا طاغوت الحاد مرنے لگا

زندگی کے تقاضے نئے ہو گئے! جو بھی بیدار تھے فتنے سب سو گئے
سب کبائر ذنوب و خطاء کھو گئے نیک اعمال کل معصیت دھو گئے
کاٹنا ہے وہاں جو یہاں بو گئے

مٹ گئی خواجگی برتری سرکشی آمریت ہوئی محو فرمانبری
جامِ عرفان سے مٹ گئی تشنگی عقل و دانش مطیعِ رضا ہو گئی
جاہلیت کا حیواں بنا آدمی

اب نہالِ تمنّا جواں ہو گیا مولا ناراض تھا مہرباں ہو گیا
شر و باطل نظر سے نہاں ہو گیا پھر سے حق کا نمایاں نشاں ہو گیا
بندہ پھر نائبِ آسماں ہو گیا

اب اخوّت مساوات کا دور ہے ظلم ناپید مفقود اب جور ہے
عدل و نصفت کا پیدا نیا طور ہے دشمنِ دین کو دعوتِ غور ہے
سحرِ باطل ہے کچھ وحی کچھ اور ہے

اب خلافت کے معمار جمہور ہیں فارغ البال دہقان و مزدور ہیں
علم و اخلاق پابند دستور ہیں نورِ کردار سے قلب معمور ہیں
شر کے عفریت محبوس و مجبور ہیں

اب تفکّر بعنوان تحقیق ہے اب معاد و معیشت میں تطبیق ہے
عبد و معبود میں پھر سے توفیق ہے اب تمدّن سے مفقود تفریق ہے
مائلِ عدل پھر نظمِ تخلیق ہے!

اب توکّل باندازِ تدبیر ہے روحِ اعمال مربوط تقدیر ہے
عزمِ تدبیر مائل بہ تعمیر ہے نقش تعمیرِ فطرت کی تصویر ہے
وصفِ فطرت ہی آرام کی تفسیر ہے

نوطِ مستور پھر آشکارا ہوا آدمیت نے رخ تا سنوارا ہوا
یعنی برق آشنا پھر شرارہ ہوا صورتِ موم پھر سنگِ خارا ہوا
قعرِ دریا میں پیدا کنارہ ہوا

پھر سے الہام عقل آزما ہو گیا آدمی پھر خدا آشنا ہو گیا

فون بستانِ عائشہ: 511356 فون مدرسہ: 511961
مدرسہ بستانِ عائشہ
طالبات کی دینی تعلیم و تربیت کی عظیم درسگاہ
میں دو نئی درسگاہیں زیر تعمیر ہیں اہلِ خیر سے التماس ہے کہ اس کارِ خیر کی تکمیل کے لئے
فوری طور پر اپنے عطیات ارسال فرمائیں (جزاکم اللہ تعالیٰ)
ترسیل زر کے لئے:
بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
بذریعہ بینک ڈرافٹ یا چیک: سید عطاء المحسن بخاری اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان

علامہ انور صابری مرحوم

"خدا کرے"......!

جدید دور جو گلشن کو سازگار آئے
کلی کلی کو ہنساتی ہوئی بہار آئے
اگر عنایتِ ساقی بروئے کار آئے
اِدھر میں جام اٹھاؤں اُدھر بہار آئے
میں اس کے وعدۂ فردا پہ کیوں یقین کروں
جسے نہ میری وفاؤں پہ اعتبار آئے
مری حیات ہے سرمایۂ سکونِ جہاں
خدا کرے کہ زمانہ کو اعتبار آئے
کوئی سنے نہ سنے انقلاب کی آواز
پکارنے کی حدوں تک تو ہم پکار آئے
بہارِ یک نظر و عیشِ یک نفس بے سود
بہار آئے تو یوں خالقِ بہار آئے
کلی کلی کو ملے عمرِ جاودانِ بہار
گلوں کے رخ پہ جو رنگ آئے پائیدار آئے
وہاں لطافتِ فطرت کا ذکر کیا انور
جہاں فسادِ طبیعت بروئے کار آئے

ترحیم ادارہ

مسافرینِ آخرت

محترم کپتان غلام محمد رحمہ اللہ:

چکڑالہ ضلع میانوالی کی عظیم شخصیت اور مجلس احرارِ اسلام کی متاعِ عزیز محترم کپتان غلام محمد ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ ۳۰ اپریل ۱۹۹۶ء کی صبح انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کپتان غلام محمد مرحوم گزشتہ پچاس برس سے مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھے۔ ایسی وابستگی کی کہ اس پر کسی اور کی محبت غالب نہ آسکی۔ وہ حضرت امیر شریعت اور مولانا محمد گل شیر شہید کی محبتوں کے اسیر اور رفیق تھے۔ وہ ایک مزدور تھے اور کئی کئی میل روزانہ پیدل سفر کر کے مزدوری کرتے تھے۔ علاقہ بھر میں ان کا جو احترام تھا وہ کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں میں ہر دینی تحریک میں حصہ لیا اور صعوبتیں برداشت کیں۔ کپتان غلام محمد مرحوم فدائے احرار تھے۔ وہ ایک بھرپور شخصیت تھے۔ ان کی نماز جنازہ حضرت ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ نے پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے (آمین) ان شاء اللہ قریبی اشاعت میں ان کے مفصل حالات شائع کئے جائیں گے۔

جناب اورنگ زیب خان کی رحلت:

چکڑالہ سے ہمارے کرم فرما ملک محمد یوسف صاحب کے والد ماجد اور مجلس احرار اسلام چکڑالہ کے ناظم ماسٹر محمد خالد صاحب کے سسر محترم اورنگزیب خان گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ مرحوم کا تعلق مجلس احرار اسلام سے تھا وہ ایک پختہ فکر اور دردمند مسلمان تھے۔

جناب شیخ محمد اشرف مرحوم:

مجلس احرار اسلام ملتان کے رکن جناب شیخ فضل الرحمن کے ماموں محترم شیخ حاجی محمد اشرف یکم مئی کو ملتان میں انتقال کر گئے۔

شیخ محمد ضرار کی والدہ کی رحلت:

چیچا وطنی سے ہمارے مہربان جناب شیخ محمد ضرار کی والدہ ماجدہ گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں۔ اراکین ادارہ تمام مرحومین کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں اور پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ سب مرحومین کی مغفرت کے لئے ایصال ثواب اور دعاء کا خاص اہتمام فرمائیں۔

(ادارہ)

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ کی چند اہم مطبوعات

بیرون بوہڑ گیٹ ۔ ملتان فون 40501

عام فہم اردو تفسیر پاکستان میں پہلی بار

حل القرآن

بامحاورہ ترجمہ:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

تفسیر: حضرۃ مولانا علامہ حبیب احمد کیرانویؒ

بعنوانات مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند

یہ تفسیر حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کی نظر میں

میں نے اس تفسیر کو شروع سے ختم تک حرفاً حرفاً دیکھا ہے جو خصوصیات میرے ذہن میں ہیں، ان کو لکھتا ہوں۔

١۔ ترجمہ سلیس و شگفتہ ہے جس میں لغت و محاورہ دونوں کی کافی رعایت ہے۔

٢۔ تفسیر اتنی مختصر ہے کہ مقصود میں مخل ہو نہ ایسی طویل کہ ناظرین کے لئے ممل (اُکتا دینے والی)۔

٣۔ تفسیر کی تقریر ایسے انداز سے کی گئی ہے کہ اس سے اجزائے قرآنیہ میں نہایت لطیف ارتباط بھی ظاہر ہو گیا ہے۔

۴۔ بعض جگہ میرے حواشی بھی ملیں گے جن میں بعض حواشی سے میرا جوشِ وجد ظاہر ہو گا جو غایت استحسان سے ناشی ہوا۔ (ملخصہ تقریظ)

کامل دو جلد قیمت ۵۲۵/- روپے

نسیم الریاض (عربی)

مع حاشیہ شرح الشفاء لملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

کامل چار جلد کلاں، خوبصورت مصری ٹائپ } پاکستان میں پہلی بار طبع ہو چکی ہے، قیمت ۱۲۰۰/- روپے

تفسیر انوار البیان

از: مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں، قیمت فی جلد ۲۴۰/- روپے

ملفوظات حکیم الامت

کامل دس جلد قیمت ۹۳۰/- روپے

اشرف السوانح

حضرت تھانویؒ کی مکمل سوانح حیات

کامل سیٹ ۴ جلد قیمت ۵۵۵/- روپے

کلید مثنوی

مولانا رومؒ کی مثنوی مستند اردو شرح از حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کامل ۲۴ حصے قیمت کامل سیٹ ۹۹۵/- روپے

تحفۃ العلماء

دینی مدارس اور مدرسین و متعلمین کے لئے بہت اہم کتاب حضرت تھانویؒ

کامل دو جلد قیمت ۳۲۰/- روپے

اشرف الجواب

کامل تین قیمت ۱۶۵/- روپے

تسہیل المواعظ

حضرت تھانویؒ کے باون خطبات کا مجموعہ

کامل دو جلد قیمت ۲۱۵/- روپے

بہشتی زیور

(جہیز ایڈیشن) مکمل و مدلل جدید حاشیہ کے ساتھ، اعلیٰ کاغذ خوبصورت جلد (ڈبے کی پیکنگ میں)

قیمت: ۳۰۰/- روپے

اصلاح خواتین

از حضرت تھانویؒ قیمت ۱۶۹/- روپے

اصلاحی نصاب

از حضرت تھانویؒ قیمت ۱۴۲/- روپے

امثال عبرت

از حضرت تھانویؒ قیمت ۱۳۲/- روپے

دینی دسترخوان

(جدید اسلامی انسائیکلوپیڈیا)

کامل ۲ جلد قیمت ۵۵۵/- روپے

ہماری عربی مطبوعات

اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ

کامل ۱۵ جلد قیمت ۳۰۰۰/- روپے

السنن الکبریٰ (بیہقی)

کامل ۱۰ جلد قیمت ۱۹۹۵/- روپے

تفسیر البغوی (معالم التنزیل)

کامل ۶ جلد قیمت ۹۹۹/- روپے

خطبات حکیم الامتؒ

۲۵ جلدوں میں

تقریباً پندرہ ہزار صفحات

قیمت کامل سیٹ ۳۹۰۰/-

١۔ دنیا و آخرت

٢۔ علم و عمل ٣۔ دین و دنیا

۴۔ حقوق و فرائض

۵۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

٦۔ نظام شریعت

٧۔ حقیقت عبادت

٨۔ حقیقت مال و جاہ

٩۔ فضائل صبر و شکر

١٠۔ فضائل صوم و صلوٰۃ

١١۔ حقیقت تصوف و تقویٰ

١٢۔ محاسن اسلام

١٣۔ دعوت و تبلیغ

١۴۔ جزا و سزا ١۵۔ تسلیم و رضا

١٦۔ برکات رمضان

١٧۔ سنت ابراہیم ١٨۔ مفاسد گناہ

١٩۔ آداب انسانیت

٢٠۔ حقوق الزوجین

٢١۔ تدبیر و توکل ٢٢۔ ذکر و فکر

٢٣۔ راہ نجات

٢۴۔ موت و حیات

٢۵۔ حدود و قیود

نوٹ: اس فہرست کی مکمل کتب خریدنے پر خصوصی چالیس فی صد رعایت دی جائے گی۔ مکمل فہرست مفت طلب کریں۔

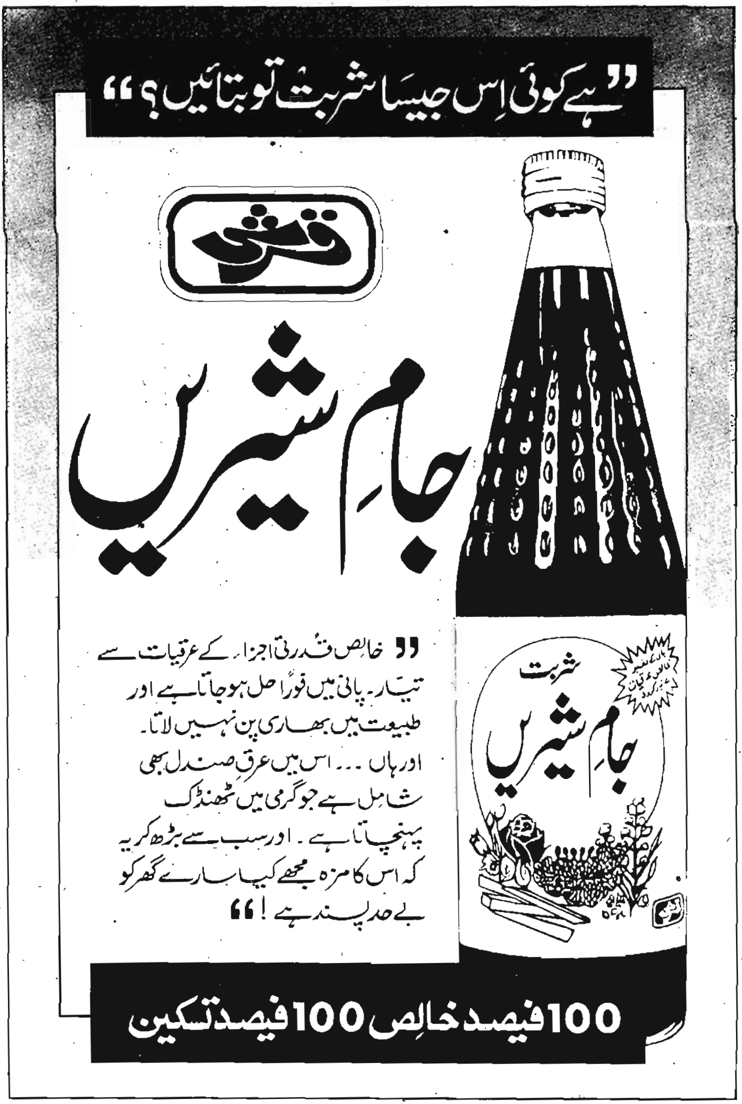
"ہے کوئی اِس جیسا شربت تو بتائیں؟"
قرشی
جامِ شیریں
"خالص قدرتی اجزاء کے عرقیات سے تیار۔ پانی میں فوراً حل ہوجاتا ہے اور طبیعت میں بھاری پن نہیں لاتا۔ اور ہاں ... اس میں عرق صندل بھی شامل ہے جو گرمی میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا مزہ مجھے کیا سارے گھر کو بے حد پسند ہے!"
شربت
جامِ شیریں
100 فیصد خالص 100 فیصد تسکین

MPL

Kinza

SQUASHES (1 Litre)
KETCHUP (1 Litre)
VINEGARS (1 Litre)

"Sharing the taste"

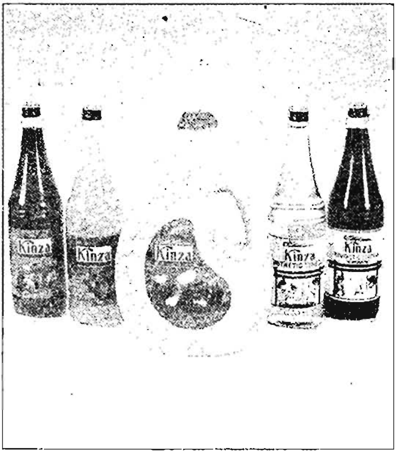

Quality and Economy Guaranteed

wily FOODS (PVT) LTD.
Chand Plaza, off lane 6, Peshawar
Road, Rawalpindi Cantt
Phone: 862076

بائیسویں سالانہ

مجلسِ ذکرِ حسین رض

بیاد

شہید غیرت،قتیل سازش ابنِ سبا ،مظلومِ کربلا
سیدنا حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہما

خصوصی خطاب

آلِ نبی اولادِ علی ، ابنِ امیرِ شریعت ، خطیبِ بنی ہاشم

سید عطاء المحسن بخاری

علماء اور دانشور بارگاہِ حسینی میں ہدیہ عقیدت و محبت پیش کرتے ہوئے
تاریخ و سیرت کی روشنی میں تذکار و افکارِ حسین اور حقیقتِ حادثۂ کربلا بیان کریں گے

۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ ۱۱ بجے دن تا نمازِ عصر

دارِ بنی ہاشم ، مہربان کالونی ملتان

مؤمنینِ اہلِ سنت کے لئے دعوت و ضیافت کا اہتمام ہو گا

مجلسِ محبانِ آل و اصحاب رسول ملتان